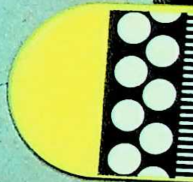

1198;U

1199;U

1201;U

1200;U



# مجموعۂ نظمِ حالی

جس میں خاکسار الطاف حسین حالی نے اپنی مختلف اوقات کی لکھی ہوئی چودہ مندرجۂ ذیل نظمیں جمع کی ہیں

برکھارُت ۔ نشاطِ اُمید ۔ حُبِّ وطن ۔ مناظرۂ رحم و انصاف
ننگِ خدمت ۔ مدرسۃ العلوم مسلماناں ۔ تعصُّب و انصاف
کلمۃ الحق ۔ مناظرۂ واعظ و شاعر ۔ جشنِ جوبلی ۔ پھوٹ اور
ایکے کا مناظرہ ۔ تعلیم مسلماناں ۔ جوانمردی کا کام ۔ دربارِ قیصری

۱۸۹۶ء

مطبع افتخار دہلی میں منشی محمد ابراہیم کے اہتمام سے چھپا

یہ کتاب حسب ضابطہ رجسٹری ہو چکی ہے

قیمت فی جلد ۱۰/ ——— محصول ڈاک ۱/

# دیباچہ مرقومہ سنہ ۱۸۹۰ء

## بسم اللہ الرحمن الرحیم



## حامداً و مصلیاً

سنہ ۱۸۷۴ء میں جب کہ راقم پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو سے متعلق اور لاہور میں
مُقیم تھا مولوی محمد حسین آزاد کی تحریک اور کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم
پنجاب کی تائید سے انجمن پنجاب نے ایک مُشاعرہ قائم کیا تھا جو کہ مہینے میں ایکبار
انجمن کے مکان میں منعقد ہوتا تھا۔ اِس مشاعرہ کا مقصد یہ تھا کہ ایشیائی شاعری
جو کہ دَروبست عشق اور مُبالغہ کی جاگیر ہو گئی ہے۔ اُسکو جہانتک ممکن ہو وسعت
دیجائے۔ اور اُسکی بُنیاد حقائق اور واقعات پر رکھی جائے۔ یہ تحریک اگر پندرہ برس
پہلے کی جاتی تو شاید اِس پر کوئی ثمرہ مترتّب نہوتا کیونکہ جو لوگ ہندوستان میں
اُردو نظم پر تھوڑی یا بہت قدرت رکھتے تھے وہ عشقیہ مضامین کی مُمارست سے
شاعری کو عاشقی کا مُرادف جانتے تھے اور مُبالغہ کو شعر کے ذاتیات میں داخل
سمجھتے تھے۔ وہ واقعہ نگاری اور تصویر حقائق کو منصب شاعری کے خلاف تصوّر
کرتے تھے۔ اُنھوں نے مغربی اِنشاپردازی کا کوئی نمونہ بھی اپنی زبان میں نہیں دیکھا

تھا۔ جس پر وہ اپنی شاعری کی بنیاد رکھنے کے قابل ہوتے۔ لیکن یہ تحریک
خوش قسمتی سے ایسے وقت ہوئی جب کہ اُردو زبان میں مغربی خیالات کی روح
پھونکی جا رہی تھی۔ لٹریچر میں بہت سی کتابیں اور مضامین انگریزی سے اُردو
میں ترجمہ ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے۔ دیسی اخباروں میں بھی جن میں سے
سائنٹیفک سوسائٹی علیگڈھ کا اخبار خصوصیت کے ساتھ ذکر کیے قابل ہے۔ اکثر
انگریزی آرٹکلوں کے ترجمے ہونے لگے تھے۔ اِن اسباب سے مغربی طرز تحریر
اور مغربی طرز بیان آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں گھر کرتی جاتی تھی۔ یہاں
تک کہ ۱۸۷۲ء میں سر سید احمد خاں نے پرچۂ تہذیب الاخلاق جاری کیا جسکے
سبب سے مسلمانوں کے خیالات میں جو لٹریچر کا صحیح مذاق رکھتے تھے بہت جلد
ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا۔ اُردو فارسی۔ انشا پردازی کا قدیم طریقہ انکی نظر
میں نہایت سخیف اور سبک معلوم ہونے لگا اور اپنی شاعری کو وہ حقارت کی
نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اگرچہ مغربی شاعری کا کوئی عمدہ نمونہ اُس وقت تک اُردو
زبان میں موجود نہ تھا اور نہ اب تک موجود ہے۔ لیکن وہ جو مشہور ہے کہ "دیوانہ را
ہوئے بس است" جدت پسند طبیعتوں پر جس قدر مغربی انشا پردازی کی لَے
اب تک کھلی تھی وہی اُنکو لے اُڑی۔ بہت سے موزوں طبع اور بعضے کہن مشق بھی
جن پر قدیم شاعری کا رنگ چڑھ چکا تھا اِس مشاعرہ میں شریک ہونے لگے
اگرچہ یہ صحبت مدت تک جمی رہی لیکن راقم صرف چار جلسوں میں شریک ہونے

پایا تھا کہ بسبب ناموافقت آب وہوا کے لاہور سے تبدیل ہوکر دلّی چلا آیا۔
مجھ کو مغربی شاعری کے اصول سے نہ اسوقت کچھ آگاہی تھی اور نہ اب ہے اور
نیز میرے نزدیک مغربی شاعری کا پورا پورا تتبّع ایک ایسی نامکمل زبان میں
جیسی کہ اردو ہے ہو بھی نہیں سکتا۔ البتہ کچھ تو میری طبیعت مبالغہ واغراق
سے بالطبع نفور تھی اور کچھ اس نئے چرچے نے اُس نفرت کو زیادہ مستحکم کردیا۔
اِس ایک بات کے سوا میرے کلام میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے انگریزی
شاعری کے تتبّع کا دعویٰ کیا جاسکے یا اپنے قدیم طریقہ کے ترک کرنے کا الزام عائد ہو
چار مثنویاں جو اس مجموعہ میں سب سے اول درج کی گئی ہیں یعنی برکھارت
نشاطِ اُمید حُبِّ وطن اور مناظرہ رحم و انصاف اُسی مشاعرہ
کی نظمیں ہیں جو مشاعروں کی ترتیب کے موافق اِس کتاب میں داخل کی گئی
ہیں۔ اُنکے بعد جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کو مشاعرۂ مذکور سے کچھ تعلّق نہیں ہے محض
بہ تقاضائے وقت ومقتضائے طبیعت یا بہ تحریک بعض احباب قوم وقتاً بعد وقتٍ
وحیناً بعد حینٍ ترتیب پاکر انہیں سے چند عام طور پر شائع ہوگئی ہیں اور چند بالکل
شائع نہیں ہوئیں۔ اور کچھ اخباروں وغیرہ کے ذریعہ سے بعض احباب نے پبلک کے
نذر کی ہیں +
میرے اکثر دوست مدّت سے متقاضی تھے کہ اپنے تمام ہفوات ایک جگہ جمع
کرکے نکتہ نواز دوستوں سے داد۔ اور نکتہ گیر یاروں سے اپنے کلام کی اصلاح میں

امدادلوں لیکن جو نظمیں عام طور پر شائع ہو رہی ہیں جیسے مد و جزر اسلام مناجاتِ بیوہ۔ حقوقِ اولاد۔ اور شکوۂ ہند وغیرہ اُنکو اس مجموعہ میں داخل کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ اور دیوان غزلیات و قطعات و رباعیات وغیرہ میں ابھی کچھ اور بڑھانا باقی تھا اسلئے انکو چھوڑ کر باقی اکثر نظمیں جو سنہ ۱۸۷۴ع سے ابتک لکھی گئی ہیں سب ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں +

میں اپنے قدیم مذاق کے دوستوں اور ہموطنوں سے جو کسی قسم کی جدّت کو پسند نہیں کرتے معافی چاہتا ہوں کہ اس مجموعہ میں اُنکی ضیافت طبع کا کوئی سامان مجھ سے مُہیّا نہیں ہوسکا اور اُن صاحبوں کے سامنے جو مغربی شاعری کی ماہیت سے واقف ہیں اعتراف کرتا ہوں کہ طرز جدید کا حق ادا کرنا میری طاقت سے باہر تھا۔ البتہ میں نے اُردو زبان میں نئی طرز کی ایک ادھوری اور ناپائدار بنیاد ڈالی ہے اُس پر عمارت چُننی اور اُسکو ایک قصر رفیع الشان بنانا ہماری آئندہ ہونہار اور مبارک نسلوں کا کام ہے جن سے اُمید ہے کہ اِس بنیاد کو ناتمام نہ چھوڑینگی +

پارۂ در خاک معنی تخم سعی افشاندہ ایم
بو کہ بعد از ما شود ایں تخم نخل باردار

# برکھا رُت

مُرتبہ سنہ ۱۸۷۴ء

گرمی کی تپش بجھانے والی
سردی کا پیام لانے والی

قدرت کے عجائبات کی کان
عارف کے لئے کتابِ عرفان

وہ شاخ و درخت کی جوانی
وہ مور و ملخ کی زندگانی

وہ سارے برس کی جان برسات
وہ کون خدا کی شان برسات

آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد
اور سیکڑوں التجاؤں کے بعد

وہ آئی تو آئی جان میں جان
سب تھے کوئی دن کے ورنہ مہمان

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار
اور دُھوپ میں تپ رہے تھے کہسار

بُھوبل سے سوا تھا ریگِ صحرا
اور کھول رہا تھا آبِ دریا

تھی لُوٹ سی پڑ رہی چمن میں
اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں

سانڈے تھے بِلوں میں مونھ چھپائے
اور ہانپ رہے تھے چارپائے

تھیں لومڑیاں زباں نکالے
اور لُو سے ہرن ہوئے تھے کالے

چیتوں کو نہ تھی شکار کی سُدھ
ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سُدھ

تھے شیر پڑے کچھار میں سُست
گھڑیال تھے رود بار میں سُست

ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا
بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں
گھوڑوں کا چھٹا تھا گھانس دانہ
گرمی کا لگا ہوا تھا بھپکا
طوفان تھے آندھیوں کے برپا
آرے تھے بدن پہ لُو کے چلتے
تھی آگ کا دے رہی ہوا کام
رستوں میں سوار اور پیدل
گھوڑوں کے نہ آگے اُٹھتے تھے پانو
تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک
پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی
بجھتی نہ تھی آتشِ درونی
سات آٹھ بجے سے دن چھپے تک
ٹٹی میں تھا دن گنواتا کوئی
بازار پڑے تھے سارے سُنسان
چلتی تھی دُکان جن کی دن رات
خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا

بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا
اور دودھ نہ تھا گئو کے تھن میں
تھا پیاس کا اُن پہ تازیانہ
اور آنس نکل رہا تھا سب کا
اُٹھتا تھا بگولے پر بگولا
شعلے تھے زمین سے نکلتے
تھا آگ کا نام مفت بدنام
سب دھوپ کے ہاتھ سے تھے بیکل
ملتی تھی کہیں جو رُکھ کی چھانو
پانی کی جگہ برستی تھی خاک
وہ بادِ سموم سے سوا تھی
لگتی تھی ہوا سے آگ دُونی
جانداروں پہ دھوپ کی تھی دستک
تہ خانہ میں مونھ چھپاتا کوئی
آتی تھی نظر نہ شکلِ انساں
بیٹھے تھے وہ ہاتھ پر دھرے ہات
یا پیاؤ پہ یا سبیل پر تھا

تھا شہر میں قحط آدمی زاد — سلطان کا اک کنواں تھا آباد

پانی سے تھی سب کی زندگانی — میلا تھا وہیں جہاں تھا پانی

تھیں برف پہ نیتیں لپکتی — فالودہ پہ رال تھی ٹپکتی

پھل پھول کی دیکھ کر طراوت — پاتے تھے دل و جگر طراوت

کنجڑوں کی وہ بولیاں سہانی — بھر آتا تھا سُنکے مونھ میں پانی

تھے جو خفقانی اور مراقی — گرمی سے نہ تھا کچھ اُن میں باقی

کھانے کا نہ تھا اُنھیں مزا کچھ — آٹھ آٹھ پہر نہ تھی غذا کچھ

بن کھائے گئی کئی دن اکثر — رہتے تھے فقط ٹھنڈائیوں پر

شب کٹتی تھی ایڑیاں رگڑتے — مر پیٹ کے صبح تھی پکڑتے

اور صبح سے شام تک برابر — تھا اَلعَطَش اَلعَطَش زباں پر

بچوں کا ہوا تھا حال بیحال — کملائے ہوئے تھے پھول سے گال

آنکھوں میں تھا اُنکا پیاس سے دم — تھے پانی کو دیکھ کرتے مَم مَم

ہر بار پکارتے تھے ماں کو — ہونٹوں پہ تھے پھیرتے زباں کو

پانی دیا گر کسی نے لاکر — پھر چھوڑتے تھے نہ مونھ لگاکر

بچے ہی نہ پیاس سے تھے مضطر — تھا حال بڑوں کا اُن سے بدتر

تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری — پانی سے نہ تھی کسی کو سیری

لہ لاہور میں جہاں یہ مثنوی لکھی گئی ایک سلطان کا کنواں مشہور ہے جس کا پانی نہایت ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اور گرمی کے موسم میں وہاں آدمیوں کا نہایت ہجوم رہتا ہے +.

کل شام تلک تو تھے یہی طور — پر رات سے ہی سماں ہے کچھ اور
پُروا کی دہائی پھر رہی ہے - — پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا + — اک شور ہے آسماں پہ برپا
ہے ابر کی فوج آگے آگے — اور پیچھے ہیں دَل کے دَل ہوا کے
ہیں رنگ برنگ کے رسالے — گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے
ہے چرخ پہ چھاؤنی سی چھاتی - — اک آتی ہے فوج ایک جاتی
جاتے ہیں ہم یہ کوئی جانے — ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے
توپوں کی ہے جبکہ باڑ چلتی — چھاتی ہے زمین کی دَہلتی
مینہ کا ہے زمین پر دڑیڑا — گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا
بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی — آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی
گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں — جنت کی ہوائیں آ رہی ہیں
کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی — قدرت ہے نظر خدا کی آتی
سُورج نے نقاب لی ہے مُونھ پر — اور دھوپ نے تہ کیا ہے بستر
باغوں نے کیا ہے غسلِ صحّت — کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت
سبزہ سے ہے کوہ و دشت معمور — ہے چار طرف برس رہا نُور
بٹیا ہے نہ ہے سڑک نمودار — اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار
ہے سنگ و شجر کی ایک وردی — عالم ہے تمام لاجوردی

پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار
پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل
کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو۔
کویل کی ہے کوک جی لبھاتی
مینڈک ہیں جو بولنے پہ آتے
سب خوانِ کرم سے حق کے ہیں سیر
زردار ہیں اپنے مال میں مست
ابر آیا ہے گِھر کے آسماں پر
مسجد میں ہے وردِ اہلِ تقویٰ
مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا
کرتے ہیں گرو گرو گرنتھی
جاتا ہے کوئی ملار گاتا
بھنگی ہیں نشے میں گاتے پھرتے
سر دِن کوئی گا رہا ہے بیٹھا
رکھنک جو بڑے ہیں چَین مست کے
کرتے ہیں وہ یوں جیوں کی رکھیا

دولہا سے بنے ہوئے ہیں اشجار
ہے گونج رہا تمام جنگل +
اور مور جھنگارتے ہیں ہر سو
گویا کہ ہے دل میں بیٹھی جاتی
سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے
پانی میں مگر کچھار میں شیر
قلّانچ ہیں اپنی کھال میں مست
کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر
یَا رَبِّ لَنَا وَ لَا عَلَینَا
کرپا ہوئی تیری میگھ راجا
گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی
ہے دیس میں کوئی گنگناتا
اور بانسریاں بجاتے پھرتے
چھیڑا ہے کسی نے ہیر رانجھا
ڈھکنے ہیں دِیوں پہ ڈھکتے پھرتے
تا جل نہ بجھے کوئی پتنگا +

ہیں شکر گزار تیرے برسات — انسان سے لیکے تا جمادات
دنیا میں بہت تھی چاہ تیری — سب دیکھ رہے تھے راہ تیری
تجھ سے ہے کھلا یہ رازِ قدرت — راحت ملتی ہے بعدِ کلفت
شکریۂ فیضِ عام تیرا — پیشانیٔ دہر پر ہے لکھا
گلشن کو دیا جمال تو نے — کھیتی کو کیا نہال تو نے
طاؤس کو ناچنا بتایا — کویل کو الاپنا سکھایا
جب مور ہے ناچنے پہ آتا — آپے سے ہے اپنے گذرا جاتا
کویل کو نہیں قرار اک پل — ایسی کوئی تو نے کوک دی کل
شب بھر میں ہوا سماں دگرگوں — کیا پڑھ دیا آکے تو نے افسوں
سوئے تو اساڑھ کا عمل تھا — اُٹھے تو سماں ہے ماہ کا سا
لاہور میں شب ہوئی تھی لیکن — کشمیر میں پہنچے جب ہوا دن
اِمرت سا ہوا میں بھر دیا کچھ — ایک رات میں کچھ سے کر دیا کچھ
دریا تجھ بن سِسک رہے تھے — اور بن تری راہ تک رہے تھے
دریاؤں میں تو نے ڈال دی جان — اور تجھ سے بنوں کو لگ گئی شان
جن جھیلوں میں کل تھی خاک اُڑتی — ملتی نہیں آج تھاہ اُن کی +
جو دانے تھے خاک میں پریشاں — سب آگے چڑھائے تو نے پروان
دولت جو زمین میں تھی مخفی — آگے ترے اُس نے سب اُگل دی

پڑتے تھے ڈلاؤ جس زمیں پر
وھاں سبزہ وگل ہیں جلوہ گستر
جن پودوں کو کل تھے ڈھور چرتے
باتیں ہیں وہ آسماں سے کرتے
جن باغوں میں اُڑتے تھے بگولے
وھاں سیکڑوں اب پڑے ہیں جھولے
تھے ریت کے جس زمیں پہ انبار
ہے بیر بہٹّیوں سے گلنار

کھم باغوں میں جا بجا گڑے ہیں
جھولے ہیں کہ سو بہ سو پڑے ہیں
کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کم سِن
جنکے ہیں یہ کھیل کود کے دن
ہیں جھول رہی خوشی سے ساری
اور جھول رہی ہیں باری باری
جب گیت ہیں ساری مِلکے گاتی
جنگل کو ہیں سر پہ وہ اُٹھاتی
اِک سب کو کھڑی جھلا رہی ہے
اِک گرنے سے خوف کھا رہی ہے
ہے اُن میں کوئی ملار گاتی -
اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی
گاتی ہے کوئی کبھی ہنڈولا
کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا
اِک جھولے سے وہ گری ہے جاکر
سب ہنستی ہیں قہقہے لگا کر

ندّی نالے چڑھے ہوئے ہیں
تیراکوں کے دم بڑھے ہوئے ہیں
گھڑ ناؤ پہ ہے سوار کوئی
اور تیر کے پہنچا پار کوئی
بگلوں کی ہیں ڈاریں آکے گرتی
مُرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی
چکلے ہیں یہ پاٹ ندّیوں کے
دن بھر میں ہیں بیڑے جاکے لگتے
زوروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی
موجوں کی ہیں صورتیں ڈرانی

ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں — موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہیں

ملاحوں کے اُڑ رہے ہیں اوسان — بیڑے کا خدا ہی ہے نگہبان

منجدھار کی رو یہ زور پر ہے — مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے

بیزار[1] اِک اپنے جان و تن سے — بچھڑا ہوا صحبتِ وطن سے

غربت کی صعوبتوں کا مارا — چلنے کا نہیں ہے جسکو یارا

غمخوار ہے کوئی اور نہ دلجو — اِک باغ میں ہے پڑا لبِ جو

ہیں دھیان میں کلفتیں سفر کی — آپے کی خبر ہے اور نہ گھر کی

ابر اِتنے میں اِک طرف سے اُٹھا — اور رنگ سا کچھ ہوا کا بدلا

برق آکے لگی تڑپنے پیہم — اور پڑنے لگی پھوار کم کم

آنے جو لگے ہوا کے جھوکے — بھتے جتنے سفر کے رنج بھولے

سامان ملے جو دل لگی کے — یاد آئے مزے کبھی کبھی کے

دیکھے کوئی اُس گھڑی کا عالم — وہ آنسوؤں کی جھڑی کا عالم

وہ آپ ہی آپ گنگنانا — اور جوش میں آ کبھی یہ گانا

اے چشمۂ آبِ زندگانی۔ — گھٹیو نہ کبھی تری روانی

جاتی ہے جدھر تری سواری — بستی ہے اُسی طرف ہماری

[1] یہاں سے آخر تک کچھ اشعار برعایتِ موسم اپنے حسبِ حال بے اِختیار قلم سے ٹپک پڑے ہیں اُن دنوں میں ہجوم امراض اور دیگر عوارض کی وجہ سے لاہور میں رہنا فی الواقع نہایت شاق معلوم ہوتا تھا اور وطن کی طرف واپس آنے کے لئے کوشش کی جاتی تھی +

پائے جو کہیں مری سبھا کو — دیتا ہوں ہیں بیچ میں خدا کو
اول کہیو سلام میرا — پھر دیجیو یہ پیام میرا
قسمت میں یہی تھا اپنی لکھا — فرقت میں تمہاری آئے برکھا
آتا ہے تمہارا دھیان جس دم — مرغابیاں تیرتی ہیں باہم
ہم تم یونہیں صبح وشام اکثر — تالاب میں تیرتے تھے جا کر +
جب سبزۂ وگل ہیں لہلہاتے — صحبت کے مزے ہیں یاد آتے
ہم تم یوں ہی ہاتھ میں لئے ہات — پھرتے تھے ہوائیں کھاتے دن رات
جب پیڑ سے آم ہے ٹپکتا — میں تم کو اِدھر اُدھر ہوں تکتا
آخر نہیں پاتا جب کسی کو — دیتا ہوں دعائیں بیکسی کو
رُت آم کی آئے اور نہوں یار — جی اپنا ہے ایسی رُت سے بیزار
تم بن جو ہے بوند تن پہ پڑتی — چنگاری سی ہے بدن پہ پڑتی
ہے سرد ہوا بدن کو لگتی — پر دل میں ہے آگ سی سلگتی
پردیس میں سچ ہے کیا ہو جی شاد — جب جی میں بھری ہو دیس کی یاد

نشتر کی طرح تھی دل میں چبھتی — فریاد یہ دردناک اُس کی +
تھا سوز میں کچھ ملا ہوا ساز — پکڑا گیا دل سُن اُس کی آواز
حیرت رہی دیر تک کہ آخر — روڑا ہے کہاں کا یہ مُسافر
پھر غور سے اِک نظر جو ڈالی — نِکلا وہ ہمارا دوست حالی

# نشاط امید

مرتبہ ۱۸۷۴ء

اے مری اُمید مری جاں نواز — اے مری دل سوز مری کارساز
میری سپر اور مرے دل کی پناہ — درد و مصیبت میں مری تکیہ گاہ
عیش میں اور رنج میں میری شفیق — کوہ میں اور دشت میں میری رفیق
کاٹنے والی غمِ ایام کی + — تھامنے والی دلِ ناکام کی
دل پہ پڑا آنکے جب کوئی دُکھ — تیرے دلاسے سے ملا ہم کو سکھ
تونے نہ چھوڑا کبھی غربت میں ساتھ — تونے اُٹھایا نہ کبھی سر سے ہاتھ
جی کو ہوا گر کبھی عسرت کا رنج — کھول دیے تونے قناعت کے گنج
تجھ سے ہے محتاج کا دل بے ہراس — تجھ سے ہے بیمار کو جینے کی آس
خاطرِ رنجور کا درماں ہے تُو — عاشقِ مہجور کا ایماں ہے تو
نوح کی کشتی کا سہارا تھی تو — چاہ میں یوسف کی دل آرا تھی تو
رام کے ہمراہ پھری بن میں تو — پانڈوؤں کے ساتھ چڑھی بن میں تو
تونے سدا قیس کا بہلایا دِل — تھام لیا جب کبھی گھبرایا دِل
ہوگیا فرہاد کا قِصہ تمام — پر ترے فقرے دل پہ رہا خوش مدام

تو نے ہی رانجھے کی یہ بندھوائی آس
ہوتی ہے تو پشت پہ ہمت کی جب
ہاتھ میں جب آکے لیا تو نے ہات
ساتھ ملا جسکو ترا دو قدم
گھوڑے کی لی اپنے جہاں تو نے باگ
عزم کو جب دیتی ہے تو میلِ جَست
تو نے دیا آکے ابھارا جہاں -
ذرّے کو خورشید میں تو نے کھپا

ہیر بھی فرقت میں بھی گویا کہ پاس
مشکلیں آساں نظر آتی ہیں سب
سات سمندر سے گزرنا ہے بات
کہتا ہے وہ یہ ہے عرب اور عجم
سامنے ہے تیرے گیا اور پراگ
گنبدِ گردوں نظر آتا ہے پست
سمجھے کہ مٹھی میں ہے سارا جہاں
بندے کو اللہ سے دے تو ملا

---

دونو جہاں کی ہے بندھی تجھ سے لڑ
نیکیوں کی تجھ سے ہے قائم اساس
دین کی تجھ بن کہیں پرستش نہ ہو
خشک تھا بن تیرے درختِ عمل
دل کو لبھاتی ہے کبھی بن کے حور
نام ہے سدرہ کبھی طوبیٰ ترا
کوثر و تسنیم ہے یا سلسبیل
روپ ہیں ہر پنتھ میں تیرے الگ

دین کی تو اصل ہے دنیا کی جڑ
تو نہ ہو تو جائیں نہ نیکی کے پاس
تو نہ ہو تو حق کی پرستش نہ ہو
تو نے لگائے ہیں یہ سب پھول پھل
گاہ دکھاتی ہے شرابِ طہور
روز نرالا ہے تماشا ترا
جلوے ہیں سب تیرے یہ ہے قال و قیل
ہے کہیں فردوس کہیں ہے سرگ

ایک سے ہے ایک انوکھا برن
ایک ادا میں تیری لاکھوں رشی
کوہِ ہمالہ میں بہت جا گلے
تیرے تصوّر میں ہزاروں ولی
پڑھ دیا زاہد پہ کچھ ایسا فسوں
کر دیا راہب پہ خدا جانے کیا
جس کو غرض دیکھئے دُھن ہے یہی
نشۂ امید میں ہیں چور سب

ہے کہیں محشر کہیں آواگون
کھپ گئے جن کی نہ خبر کچھ ملی
اور تپسّیا میں بہت جل بُجھے
ڈوبے کچھ ایسے کہ نہ اُچھلے کبھی
دل کی تپش اُسکی ہے ہر دم فزوں
ہو گیا دنیا سے وہ بیزار سا
صوفیِ صافی ہو کہ ہو ہندو لوی
ایک پیالے سے ہیں مخمور سب

---

جب کہ ہمایوں سے چُھٹا ملک و تخت
یار رہا اور نہ کوئی غمگسار
پھر گئے دلدادۂ فرمان تھے جو
گھر میں نہ رہنے کی ملی کوئی راہ
ہو گئے اغیار یگانے سبھی
چھوٹ گئے سارے قریب و بعید
تیرے ہی دم سے کٹے جو دن تھے سخت
خاکیوں کی تجھ سے ہے ہمت بلند

اور پھنسا بندِ حوادث میں سخت
دوست و دشمن کے لگے چلنے وار
چُھٹ گئے وابستۂ داماں تھے جو
ملک میں لی غیر کے جا کر پناہ
تو نے مگر ساتھ نہ چھوڑا کبھی
ایک نہ چھوٹی تو نہ چھوٹی اُمید
تیرے ہی صدقے سے ملا تاج و تخت
تو نہ ہو تو کام ہوں دنیا کے بند

تجھ سے ہی آباد ہے کون و مکاں
تو نہ ہو تو ہو ابھی برہم جہاں

کوئی پڑا پھرتا ہے بہرِ معاش
ہے کوئی اکسیر کو کرتا تلاش

ایک تمنّا میں ہے اولاد کی
ایک کو دلدار کی ہے لَو لگی

ایک کو ہے دُھن کہ جو کچھ ہاتھ آئے
دھوم سے اولاد کی شادی رچائے

ایک کو کچھ آج اگر مِل گیا
کل کی ہے یہ فکر کہ کھائینگے کیا

قوم کی بہبود کا بھوکا ہے ایک
جس میں ہو اُنکے لئے انجام نیک

ایک کو ہے تشنگیٔ قربِ حق
جس نے کیا دل سے جگر تک ہے شق

جو ہے غرض اُس کو نئی جستجو
لاکھ اگر دل ہیں تو لاکھ آرزو

تجھ سے ہیں دل سب کے مگر باغ باغ
گُل کوئی ہونے نہیں پاتا چراغ

سب یہ سمجھتے ہیں کہ پائی مُراد
کہتی ہے جب تو کہ آب آئی مُراد

وعدہ ترا راست ہوا یا ہو دروغ
تو نے دیئے ہیں اُسے کیا کیا فروغ

وعدے وفا کرتی ہے گو چند تو
رکھتی ہے ہر ایک کو خرسند تو

بھاتی ہے سب کو تری لیت و لعل
تو نے کہاں سیکھی ہے یہ آج کل

تلخ کو تو چاہے تو شیریں کرے
بزمِ عزا کو طرب آگیں کرے

آنے نہ دے رنج کو مفلس کے پاس
رکھتے غنی اُسکو رہے جسکے پاس

یاس کا پانی ہے جو تو کچھ لگاؤ
سینکڑوں کرتی ہے اُتار اور چڑھاو

آنے نہیں دیتی دلوں پر ہراس
ٹوٹنے دیتی نہیں طالب کی آس

جن کو میسّر نہیں کملی پھٹی　　خوش ہیں توقّع پہ وہ زربفت کی
چٹنی سے روٹی کا ہے جن کی بناؤ　　بیٹھے پکاتے ہیں خیالی پُلاؤ +
پاؤں میں جوتی نہیں پر ہے یہ ذوق　　گھوڑا جو سبزہ ہو تو نیلا ہو طوق
فیض کے کھولے ہیں جہاں تو نے باب　　دیکھتے ہیں جھونپڑے محلوں کے خواب

تیرے کرشمے ہیں غضب دلفریب　　دل میں نہیں چھوڑتے صبر و شکیب
تجھ سے ہُوس نے جو شورے لیا　　پھونک دیا کان میں کیا جانے کیا
دل سے بھلایا زن و فرزند کو　　لگ گیا گھُن نخلِ برومند کو
کھانے سے پینے سے ہوا سرد جی　　ایسی کچھ اکسیر کی ہے لَو لگی -
دین کی ہے فکر نہ دنیا سے کام　　دُھن ہے یہی رات دن اور صبح و شام
دھونکنی ہے بیٹھ کے جب دھونکتا　　شہ کو سمجھتا ہے اِک ادنےٰ گدا
پیسے کو جب تاؤ یہ دیتا ہے تاؤ　　پُوچھتا یاروں سے ہے سونے کا بھاؤ
کہتا ہے جب ہنستے ہیں سب دیکھکر　　رہ گئی اِک آنچ کی باقی کسر
ہے اِسی دھندے میں وہ آسودہ حال　　تو نے دیا عقل پہ پردہ سا ڈال
تول کے گر دیکھئے اُس کی خوشی　　کوئی خوشی اُس کو نہ پہنچے کبھی

پھرتے ہیں محتاج کئی تیرہ بخت　　جن کے بڑوں میں تھا کبھی تاج و تخت
آج جو برتن ہیں تو کل گھر گرو　　ملتی ہے مشکل سے اُنہیں نانِ جَو
تیرے سوا خاک نہیں اُنکے پاس　　ساری خدائی میں ہے لے دیکے آس

پھولے سماتے نہیں اس آس پہ
صاحبِ عالم اُنہیں کہئے اگر

کھاتے ہیں اس آس پہ قسمیں عجیب
جھوٹے کو ہو تخت نہ یارب نصیب

---

ہوتا ہے نومیدیوں کا جب ہجوم
آتی ہے حسرت کی گھٹا جھوم جھوم

لگتی ہے ہمت کی کمر ٹوٹنے
حوصلے کا لگتا ہے جی چھوٹنے

ہوتی ہے بے صبری و طاقت میں جنگ
عرصۂ عالم نظر آتا ہے تنگ

جی میں یہ آتا ہے کہ سم کھائیے
پھاڑ کے یا کپڑے نکل جائیے

بیٹھنے لگتا ہے دل آوے کی طرح
یاس ڈراتی ہے چھلاوے کی طرح

ہوتا ہے شکوہ کبھی تقدیر کا
اُڑتا ہے خاکا کبھی تدبیر کا

ٹھنتی ہے گردوں سے لڑائی کبھی
ہوتی ہے قسمت کی ہنسائی کبھی

جاتا ہے قابو سے دل آخر نکل
کرتی ہے ان مشکلوں کو تو ہی حل

کان میں پہنچی تری آہٹ جو ہیں
رختِ سفر یاس نے باندھا وہیں

ساتھ گئی یاس کے پژمردگی
ہو گئی کافور سب افسردگی

تجھ میں چھپا راحتِ جاں کا ہے بھید
چھوڑیو حالی کا نہ ساتھ اے امید

# حُبِّ وطن

مرتبہ سنہ ۱۸۷۴ء

اے سپہرِ بریں کے سیّارو — اے فضائے زمیں کے گلزارو
اے پہاڑوں کی دلفریب فضا — اے لبِ جُو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
اے عنادل کے نغمۂ سحری — اے شبِ ماہتاب تاروں بھری
اے نسیمِ بہار کے جھونکو — دہرِ ناپائدار کے دھوکو
تم ہر اک حال میں ہو یوں تو عزیز — تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز
جب وطن میں ہمارا تھا رَمنا — تم سے دل باغ باغ تھا اپنا
تم مری دل لگی کے ساماں تھے — تم مرے دردِ دل کے درماں تھے
تم سے کٹتا تھا رنجِ تنہائی — تم سے پاتا تھا دل شکیبائی
آن ایک اک تمہاری بھاتی تھی — جو ادا تھی وہ جی کُبھاتی تھی
کرتے تھے جب تم اپنی غمخواری — دھوئی جاتی تھیں کلفتیں ساری
جب ہوا کھانے باغ جاتے تھے — ہو کے خوشحال گھر میں آتے تھے
بیٹھ جاتے تھے جب کبھی لبِ آب — دھو کے اُٹھتے تھے دل کے داغ شتاب
کوہ و صحرا و آسمان و زمیں — سب مری دل لگی کی شکلیں تھیں
پر - چھٹا جب سے اپنا ملک و دیار — جی ہوا تم سے خود بخود بیزار

نہ گلوں کی ادا خوش آتی ہے
نہ صدا بلبلوں کی بھاتی ہے

سیرِ گلشن ہے جی کا اِک جنجال
شبِ مہتاب جان کو ہے وبال

کوہ و صحرا سے تا لبِ دریا
جِس طرف جائیں جی نہیں لگتا

کیا ہوئے وہ دن اور وہ راتیں
تم میں اگلی سی اب نہیں باتیں

ہم ہی غربت میں ہو گئے کچھ اور
یا تمہارے ہی کچھ بدل گئے طور

گو وُہی ہم ہیں اور وُہی دنیا
پر نہیں ہم کو لطف دنیا کا ؞

---

اے وطن اے مرے بہشتِ بریں
کیا ہوئے تیرے آسمان و زمیں

رات اور دن کا وہ سماں نہ رہا
وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا

تیری دُوری ہے مَوردِ آلام
تیرے چُھٹنے سے چُھٹ گیا آرام

کاٹے کھاتا ہے باغ بن تیرے
گُل ہیں نظروں میں داغ بِن تیرے

مِٹ گیا نقش کامرانی کا
تجھ سے تھا لطف زندگانی کا

جو کہ رہتے ہیں تجھ سے دُور سدا
اُنکو کیا ہوگا زندگی کا مزا

ہو گیا یہاں تو دو ہی دِن میں یہ حال
تجھ بن ایک ایک پل ہے ایک اک سال

سچ بتا تو سبھی کو بھاتا ہے
یا کہ مجھ سے ہی تیرا ناتا ہے

مَیں ہی کرتا ہوں تجھ پہ جان نثار
یا کہ دنیا ہے تیری عاشقِ زار

کیا زمانہ کو تو عزیز نہیں
اے وطن تو تو ایسی چیز نہیں

جنّ و انسان کی حیات ہے تو — مرغ و ماہی کی کائنات ہے تو
ہے نباتات کو نمو تجھ سے — رُوکھ بچھ بِن ہرے نہیں ہوتے
سب کو ہوتا ہے تجھ سے نشو و نما — سب کو بھاتی ہے تیری آب و ہوا
تیری اِک مُشتِ خاک کے بدلے — لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے
جان جب تک نہ ہو بدن سے جُدا — کوئی دشمن نہ ہو وطن سے جُدا

---

حملہ جب قومِ آریا نے کیا — اور بجا اُن کا ہند میں ڈنکا
ملک والے بہت سے کام آئے — جو بچے وہ غلام کہلائے
شُودر کہلائے راکشس کہلائے — رنج پردیس کے مگر نہ اُٹھائے
گو غلامی کا لگ گیا دھبّا — نہ چُھٹا اُن سے دیس پر نہ چُھٹا

قدر اے دل وطن میں رہنے کی — پُوچھے پردیسیوں کے جی سے کوئی
جب ملا رامچندر کو بن باس — اور نکلا وطن سے ہو کے اُداس
باپ کا حکم رکھ لیا سر پر — پر چلا ساتھ لیکے داغِ جگر
پانو اُٹھتا تھا اُسکا بن کی طرف — اور کھنچتا تھا دل وطن کی طرف
گزرے غربت میں اسقدر مہ و سال — پر نہ بھولا اجدّھیا کا خیال
دیس کو بَن میں جی بھٹکتا رہا — دِل میں کانٹا سا اِک کھٹکتا رہا
تیر اِک دِل میں آکے لگتا تھا — آتی تھی جب اجدّھیا کی ہوا

کٹنے چودہ برس ہوئے تھے محال — گویا ایک ایک جُگ تھا ایک اِک سال

---

ہوئے یثرب کی سمت جب راہی — سیّدِ اَبطحی کے ہمراہی
رِشتے اُلفت کے سارے توڑ چلے — اور بالکل وطن کو چھوڑ چلے
گو وطن سے چلے تھے ہو کے خفا — پر وطن میں تھا سب کا جی اٹکا
دِل لگی کے بہت مِلے ساماں — پر نہ بھُولے وطن کے ریگستاں
دِل میں آٹھوں پہر کھٹکتے تھے — سنگریزے زمینِ بطحا کے
گھر جفاؤں سے جنکی چھُوٹا تھا — دِل سے رشتہ نہ اُنکا ٹوٹا تھا

ہوئیں یُوسفؑ کی سختیاں جب دُور — اور ہوا مالکِ مصر پر مامُور
مِصر میں چار سُو تھا حکم رواں — آنکھ تھی جانبِ وطن نگراں
یادِ کنعاں جب اُسکو آتی تھی — سلطنت ساری بھُول جاتی تھی
دُکھ اُٹھائے تھے جس وطن میں سخت — تاج بھاتا تھا اُس بغیر نہ تخت
جن سے دیکھی تھی سخت بے مہری — لَو تھی اُن بھائیوں کی دل کو لگی

ہم بھی حُبِّ وطن میں گو ہیں غرق — ہم میں اور اُنمیں ہے مگر یہ فرق
ہم ہیں نامِ وطن کے دیوانے — وہ تھے اہلِ وطن کے پروانے
جس نے یُوسفؑ کی داستاں ہے سُنی — جانتا ہوگا رُوداد اُس کی
مِصر میں قحط جب پڑا آکر — اور ہوئی قوم بھوک سے مضطر

کردیا اُنہ وقف بیتُ المال — لب تک آنے دیا نہ حرفِ سوال

کھتّیاں اور کوٹھے کھول دیئے — مُفت سارے ذخیرے تول دیئے

قافلے خالی ہاتھ آتے تھے — اور بھرپور یہاں سے جاتے تھے

یُوں گرے قحط کے وہ سال گزر — جیسے بچّوں کی بھُوک وقتِ سحر

اے دل اے بندۂ وطن ہُشیار — خوابِ غفلت سے ہو ذرا بیدار

او شرابِ خودی کے متوالے — گھر کی چوکھٹ کے چُومنے والے

نام ہے کیا اِسی کا حُبِّ وطن — جس کی تجھ کو لگی ہوئی ہے لگن

کبھی بچّوں کا دھیان آتا ہے — کبھی یاروں کا غم ستاتا ہے

یاد آتا ہے اپنا شہر کبھی — تو کبھی اہلِ شہر کی ہے لگی

نقش ہیں دل پہ کوچہ و بازار — پھرتے آنکھوں میں ہیں درودیوار

کیا وطن کی یہی محبّت ہے — یہ بھی اُلفت میں کوئی اُلفت ہے

اِسمیں اِنساں سے کم نہیں ہیں درند — اِس سے خالی نہیں چرند و پرند

ٹکڑے ہوتے ہیں سنگ غربت میں — سُوکھ جاتے ہیں رُوکھ فرقت میں

جا کے کابل میں آم کا پودا — کبھی پروان چڑھ نہیں سکتا

آکے کابل سے یہاں یہی وانار — ہو نہیں سکتے باور زنہار

مچھلی جب چھوٹتی ہے پانی سے — ہاتھ دھوتی ہے زندگانی سے

آگ سے جب ہوا سمندر دُور — اُسکو جینے کا پھر نہیں مقدور

گھوڑے جب کھیت سے بچھڑتے ہیں
جان کے لالے اُنکے پڑتے ہیں

گائے یا بھینس اُونٹ یا بکری
اپنے اپنے ٹھکانے خوش ہیں سبھی

کھئے حبِّ وطن اسی کو اگر
ہم سے حیواں نہیں ہیں کچھ کمتر

ہے کوئی اپنی قوم کا ہمدرد
نوعِ انساں کا جسکو سمجھیں فرد

جسپہ اطلاقِ آدمی ہو صحیح
جسکو حیواں پہ دے سکیں ترجیح

قوم پر کوئی زد نہ دیکھ سکے
قوم کا حالِ بد نہ دیکھ سکے

قوم سے جان تک عزیز نہو
قوم سے بڑھکے کوئی چیز نہو

سمجھے اُنکی خوشی کو راحتِ جاں
وہاں جو نوروز ہو تو عید یہاں

رنج کو اُنکے سمجھے مایۂ غم
وہاں اگر سوگ ہو تو یہاں ماتم

بھول جائے سب اپنی قدرِ جلیل
دیکھ کر بھائیوں کو خوار و ذلیل

جب پڑے اُنپہ گردشِ افلاک
اپنی آسائشوں پہ ڈالدے خاک

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہموطنو!
اُٹھو اہلِ وطن کے دوست بنو

مرد ہو تو کسی کے کام آؤ +
ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ +

جب کوئی زندگی کا لطف اُٹھاؤ
دل کو دُکھ بھائیوں کے یاد دلاؤ

پہنو جب کوئی عمدہ تم پوشاک
کرو دامن سے تا گریباں چاک

کھانا کھاؤ تو جی میں تم شرماؤ
ٹھنڈا پانی پیو تو اشک بہاؤ

کتنے بھائی تمہارے ہیں نادار
زندگی سے ہے جن کا دل بیزار

نوکروں کی تمہارے جو ہے غذا — اُنکو وہ خواب میں نہیں مِلتا

جسپہ تم جُوتیوں سے پھرتے ہو — وھاں میسّر نہیں وہ اوڑھنے کو

کھاؤ تو پہلے لو خبر اُن کی + — جن پہ بِپتا ہے نیستی کی پڑی

پہنو تو پہلے بھائیوں کو پنہاؤ — کہ ہے اُترن تمہاری جن کا بناؤ

ایک ڈالی کے سب ہیں برگ وثمر — ہے کوئی اُنمیں خشک اور کوئی تر

سب کو ہے ایک اصل سے پیوند — کوئی آزردہ ہے کوئی خُرسند

مُقبلو! مُدبروں کو یاد کرو — خوش دلو! غمزدوں کو شاد کرو

جاگنے والو! غافلوں کو جگاؤ — تیرنے والو! ڈوبتوں کو تراؤ

ہیں مِلے تم کو چشم و گوش اگر — لو جو لی جائے کور و کر کی خبر

تم اگر ہاتھ پاؤں رکھتے ہو — لنگڑے لُولوں کو کچھ سہارا دو

تندرستی کا شکر کیا ہے بتاؤ — رنج بیمار بھائیوں کا بٹاؤ

تم اگر چاہتے ہو مُلک کی خیر — نہ کسی ہموطن کو سمجھو غیر

ہو مسلمان اِس میں یا ہندُو — بودھ مذہب ہو یا کہ ہو برھمو

جعفری ہووے یا کہ ہو حنفی۔ — جَین مت ہووے یا ہو ویشنوی

سب کو مِیٹھی نگاہ سے دیکھو — سمجھو آنکھوں کی پُتلیاں سب کو

ملک ہیں اِتّفاق سے آزاد — شہر ہیں اِتّفاق سے آباد

ہند میں اِتّفاق ہوتا اگر — کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کیونکر

قوم جب اتفاق کھو بیٹھی
اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی

ایک کا ایک ہو گیا بد خواہ
لگی غیروں کی پڑنے تم پہ نگاہ

پھر گئے بھائیوں سے جب بھائی
جو نہ آنی تھی وہ بلا آئی

پانو اقبال کے اکھڑنے لگے
ملک پر سب کے ہاتھ پڑنے لگے

کبھی تورانیوں نے گھر لوٹا
کبھی دُرّانیوں نے زر لوٹا

کبھی نادر نے قتلِ عام کیا
کبھی محمود نے غلام کیا

سب سے آخر کو لے گئی بازی
ایک شائستہ قوم مغرب کی

یہ بھی تم پر خدا کا تھا انعام
کہ پڑا تم کو ایسی قوم سے کام

ورنہ دم مارنے نہ پاتے تم
پڑتی جو سر پہ وہ اٹھاتے تم

ملک روندے گئے ہیں پیروں سے
چین کس کو ملا ہے غیروں سے

قوم سے جو تمہارے ہیں برتاؤ
سوچو اے میرے پیارو اور شرماؤ

اہلِ دولت کو ہے یہ استغنا
کہ نہیں بھائیوں کی کچھ پروا

شہر میں قحط کی دوہائی ہے
جانِ عالم لبوں پہ آئی ہے

بھوک میں ہے کوئی نڈھال پڑا
موت کی مانگتا ہے کوئی دعا

بچے اک گھر میں بلبلاتے ہیں
رو کے ماں باپ کو رلاتے ہیں

کوئی پھرتا ہے مانگتا در در
ہے کہیں پیٹ سے بندھا پتھر

پر جو ہیں ان میں صاحبِ مقدور
انمیں گنتی کے ہونگے ایسے غیور

کہ انہیں بھائیوں کا غم ہوگا — اپنی راحت کا دھیان کم ہوگا
جتنے دیکھوگے پاؤگے بے درد — دل کے نامرد اور نام کے مرد
عیش میں جنکے کٹتے ہیں اوقات — عید ہے دن تو شب برات ہے رات
قوم مرتی ہے بھوک سے تو مرے — کام انہیں اپنے حلوے مانڈے سے
ان کو اب تک خبر نہیں اصلا — شہر میں بھاؤ کیا ہے غلّہ کا
غلّہ ارزاں ہے اندنوں کہ گراں — کال ہے شہر میں پڑا کہ سماں
کال کیا شے ہی کسکو کہتے ہیں بھوک — بھوک میں کیونکہ مرتے ہیں مفلوک
سیر بھوکے کی قدر کیا سمجھے — اسکے نزدیک سب ہیں پیٹ بھرے

اہل دولت کا سن چکے تم حال — اب سنو ویداد اہل کمال
فاضلوں کو ہے فاضلوں سے عناد — پنڈتوں میں پڑے ہوئے ہیں فساد
ہے طبیبوں میں نوک جھوک سدا — ایک سے ایک کا ہے تھوک جدا
رہتے دو اہل علم میں اس طرح — پہلوانوں میں لاگ ہو جس طرح
عیدو والوں کا ہے اگر پٹھا[1] — شیخو والوں میں جا نہیں سکتا
شاعروں میں بھی ہے یہی تکرار — خوشنویسوں کو ہے یہی آزار
لاکھ نیکوں کا کیوں نہو اک نیک — دیکھ سکتا نہیں ہے ایک کو ایک
اس پہ طرّہ یہ ہے کہ اہل ہنر — دور سمجھے ہوئے ہیں اپنا گھر
ملی اک گانٹھ جسکو ہلدی کی — اس نے سمجھا کہ میں ہوں پنساری

(۱) عیدو والے اور شیخو والے پہلوانوں کے دو متقابل گروہ دلی میں تھے جنمیں سے ایک کے سرگروہ اوستاد کا نام عیدو اور دوسرے کا نام شیخو تھا۔

نسخہ اک طب کا جسکو آتا ہے
سگے بھائی سے وہ چھپاتا ہے

جسکو آتا ہے پھونکنا کشتہ
ہے ہماری طرف سے وہ گونگا

جسکو ہے کچھ رئن میں معلومات
وہ نہیں کرتا سیدھے مونھ سے بات

باپ بھائی ہو یا کہ ہو بیٹا
بھید پاتا نہیں منجّم کا

کام کنبے کا جسکو ہے معلوم
ہے زمانے میں اسکے بخل کی دھوم

الغرض جسکے پاس ہے کچھ چیز
جان سے بھی سوا ہے اسکو عزیز

قوم پہ انکا کچھ نہیں احساں ۔
ان کا ہونا نہونا ہے یکساں

سب کمالات اور ہنر ان کے
قبر میں انکے ساتھ جائیں گے

قوم کیا کہہ کے انکو روئے گی
نام پر کیونکہ جان کھوئے گی

تربیت یافتہ ہیں جو یہاں کے
خواہ بی اے ہوں اسمیں یا ایم اے

بھرتے حُبِّ وطن کا گو دم ہیں
پر محبِّ وطن بہت کم ہیں +

قوم کو ان سے جو امیدیں تھیں
اب جو دیکھا تو سب غلط نکلیں

ہسٹری انکی اور جوگرفی ۔
سات پردوں میں مونھ دیے ہے پڑی

بند اس قفل میں ہے علم انکا
جسکی کنجی کا کچھ نہیں ہے پتا

لیتے ہیں اپنے دل ہی دل میں مزے
گویا گونگے کا گڑ ہیں کھائے ہوئے

کرتے پھرتے ہیں سیر گل تنہا
کوئی پاس انکے جا نہیں سکتا

اہلِ انصاف شرم کی جا ہے
گر نہیں بخل یہ تو پھر کیا ہے

تم نے دیکھا ہے جو وہ سب کو دکھاؤ ۔ تم نے چکھا ہے جو وہ سب کو چکھاؤ
یہ جو دولت تمہارے پاس ہے آج ۔ ہموطن اسکے ہیں بہت محتاج
مونھ کو ایک اک تمہارے ہے تکتا ۔ کہ نکلتا ہے مونھ سے آپکے کیا
آپ شایستہ ہیں تو اپنے لئے۔ ۔ کچھ سلوک اپنی قوم سے بھی کئے؟
میز کرسی اگر لگاتے ہیں آپ ۔ قوم سے پوچھئے تو پن ہے نہ پاپ
منڈا جوتا گر آپ کو ہے پسند ۔ قوم کو اس سے فائدہ نہ گزند
قوم پر کرتے ہو اگر احساں ۔ تو دکھاؤ کچھ اپنا جوشِ نہاں
کچھ دنوں عیش میں خلل ڈالو ۔ پیٹ میں جو ہے سب اُگل ڈالو
علم کو کردو کو بکو ارزاں ۔ ہند کو کر دکھاؤ انگلستاں

---

سنتے ہو سامعین با تمکین ۔ سنتے ہو حاضرین صدر نشین
جو ہیں دنیا میں قوم کے ہمدرد ۔ بندۂ قوم اُنکے ہیں زن و مرد
باپ کی ہے دعا یہ بہرِ پسر ۔ قوم کی ئیں بناؤں اسکو سپر
ماں خدا سے یہ مانگتی ہے مراد ۔ قوم پر سے نثار ہو اولاد
بھائی آپسمیں کرتے ہیں پیماں ۔ تو اگر مال دے تو میں دوں جاں
اہلِ ہمّت کما کے لاتے ہیں ۔ ہموطن فائدے اُٹھاتے ہیں
کہیں ہوتے ہیں مدرسے جاری ۔ دخل اور خرچ جنکے ہیں بھاری
اور کہیں ہوتے ہیں کلب قائم ۔ مبحثِ حکمت و ادب قائم +

نت نئے کھلتے ہیں دواخانے
بنتے ہیں سیکڑوں شفاخانے

ملک میں جو مرض ہیں عالمگیر
قوم پر اُنکی فرض ہے تدبیر

ہیں سدا اِس اُدھیڑ بن میں طبیب
کہ کوئی نسخہ ہاتھ آئے عجیب

قوم کو پہنچے منفعت جس سے
ملک میں پھیلیں فائدے جس کے

رسم بد کا اثر جہاں پایا ؛
حملہ پر حملہ اُس پہ ہونے لگا

کہیں مجلس میں ہوتی ہے تقریر
کہیں مضمون ہوتے ہیں تحریر

ایک ناٹک بنا کے لاتا ہے
دُوسرا اُس کو کر دِکھاتا ہے

لاکھ تدبیریں جی سے جوڑتے ہیں
آخر اُسکو مٹا کے چھوڑتے ہیں

قوم کی خاطر اُنکے ہیں سب کام
خواہ اِس میں سفر ہو خواہ مقام

سیکڑوں گلرخ اور مہ پارے
لاڈلے ماں کے باپ کے پیارے

جان اپنی لئے ہتیلی پر
کرتے پھرتے ہیں بحر و بر کے سفر

شوق یہ ہے کہ جان جائے تو جائے
پر کوئی بات کام کی ہاتھ آئے

جس سے مشکل ہو کوئی قوم کی حل
ملک کا آئے کوئی کام نکل

کھپ گئے کتنے بن کے جھاڑوں میں
مر گئے سیکڑوں پہاڑوں میں

لکھے جب تک جئے سفرنامے
چلدیے ہاتھ میں قلم تھامے

گو سفر میں اُٹھائے رنج کمال
کردیا پر وطن کو اپنے نہال

ہیں اب اُنکے گواہ حبِّ وطن
در و دیوار پیرس و لندن ؛

کھئیے دنیا کا جسکو باغِ جنان
ہے فرانس آج یا ہے انگلستان

کام ہیں سب بشر کے ہموطنو
تم سے بھی ہو سکیں جو مرد ہو

چھوڑو افسردگی کہ جوش میں آؤ
بس بہت سوئے اُٹھو ہوش میں آؤ

قافلے تم سے بڑھ گئے کوسوں
رہے جاتے ہو سب سے پیچھے کیوں

قافلوں سے اگر ملا چاہو
ملک اور قوم کا بھلا چاہو

گر رہا چاہتے ہو عزّت سے
بھائیوں کو نکالو ذلّت سے

اُنکی عزّت تمہاری عزّت ہے
اُنکی ذلّت تمہاری ذلّت ہے

قوم کا بتذل ہے جو انساں
بے حقیقت ہے گرچہ ہے سلطاں

قوم دنیا میں جسکی ہے ممتاز
ہے فقیری میں بھی وہ با اعزاز

عزّتِ قوم چاہتے ہو اگر
جا کے پھیلاؤ اُنمیں علم و ہنر

ذات کا فخر اور نسب کا غرور
اُٹھ گئے اب جہاں سے یہ دستور

اب نہ سیّد کا اِفتخار صحیح
نہ برہمن کو شُدر پر ترجیح

ہوئی ترکی تمام خانوں کی
کٹ گئی جڑ سے خاندانوں کی

قوم کی عزّت اب ہنر سے ہے
علم سے یا کہ سیم و زر سے ہے

کوئی دن میں وہ دَور آئے گا
بے ہنر بھیک تک نہ پائے گا

نہ رہیں گے سدا یہی دن رات
یاد رکھنا ہماری آج کی بات

گر نہیں سنتے قول حالی کا-
پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

# مناظرہ رحم وانصاف

مرتبہ سنہ ۱۸۹۲ء

ایک دن رحم نے انصاف سے جا کر پوچھا
کیا سبب ہے کہ ترا نام ہے دنیا میں بڑا

نیک نامی سے تری سخت تحیر ہے ہمیں
ہاں سنیں ہم بھی کہ ہے کونسی خوبی تجھ میں

دوستی سے تجھے کچھ دوستوں کی کام نہیں
آنکھ میں تیری مروت کا کہیں نام نہیں

اپنے بیگانے ہیں سب تیری نظر میں یکساں
دوست کو فائدہ ہے تجھ سے نہ دشمن کو زیاں

قتل انسان ہمیشہ سے ہے عادت تیری
سیکڑوں چڑھ گئے سولی پہ بدولت تیری

جان اور مال سے نمرود کو کھویا تو نے
اور فرعون کو دریا میں ڈبویا تو نے

فوج راون کی لڑائی میں کھپائی کس نے
آگ لنکا میں سوا تیرے لگائی کس نے

قیدخانوں میں جہاں سے ہے پڑا غل تیرا
جتنے قیدی ہیں تری جان کو دیتے ہیں دعا

تیرے فتوے پہ کروڑوں ہوئے سر تن سے جدا
اور ترے حکم سے لاکھوں ہوئے مسکن سے جدا

لطف ہے تیری طبیعت میں نہ کچھ جوش غضب
تجھ کو خردوں پہ ہے شفقت نہ بزرگوں کا ادب

کانپتے آتے ہیں محفل میں تری شاہ و گدا
تجھ سے تھراتے ہیں احباب ہوں یا ہوں اعدا

جان پہچان کا ساتھی ہے نہ انجان کا دوست
یار ہندو کا ہے تو اور نہ مسلمان کا دوست

نہیں جائز ترے مذہب میں کسی کی امداد
تیرے نزدیک برابر ہے غلام اور آزاد

دم میں تو صحبتِ دیرینہ بُھلا دیتا ہے — دوستی خاک میں برسوں کی ملا دیتا ہے

طور برتاؤ کا ہے سب سے نرالا تیرا — تجھسا رُوکھا کوئی دنیا میں نہ دیکھا نہ سُنا

ہٹ پہ تو اپنی جہاں نامِ خدا آجائے — باپ کے ہاتھ سے بیٹے کا گلا کٹوائے

اسی کرتوت پہ اے عدل یہ دعوے ہیں تجھے — کہ بنا امن کی دنیا میں ہے قائم مجھ سے

ایک تُو ہے کہ یگانوں کے ہیں دل تجھ سے فگار — ایک میں ہوں کہ نہیں غیر بھی مجھ سے بیزار

رحم ہے نام مرا لطف و کرم کام مرا — فیض ویرانہ و آباد میں ہے عام مرا

حق کے الطاف و عنایت کا بہانہ ہوں میں — خلق کی کام روائی میں یگانہ ہوں میں

میری سرکار میں ہو جاتے ہیں سب عذر قبول — میرے دربار سے جاتے نہیں مجرم بھی ملول

لطف ہے عام سدا اہلِ خطا پر میرا — ہاتھ اُٹھتا نہیں خونی کی سزا پر میرا

غم مرے سامنے شادی سے بدل جاتے ہیں — ہنستے جاتے ہیں جو یہاں روتے ہوئے آتے ہیں

مجرئی شرم و مُروّت مرے دربار کے ہیں — بخشش و جُود ملازم مری سرکار کے ہیں

موج زن ہوتا ہے جب فیض کا میرے قلزم — یاس ہو جاتی ہے انبوہ میں اُمید کے گم

مصر میں قید سے یوسف کو نکالا میں نے — اور ایوب کے بیڑے کو سنبھالا میں نے

میں ہر اک درد میں ہو جاتا ہوں انساں کے شریک — میں نہوتا تو نہ دیتا کوئی محتاج کو بھیک

میں ہی دیتا ہوں یتیموں کو دلاسا جا کر — میں ہی لیتا ہوں بُرے حال میں رانڈوں کی خبر

میرے ہی دم سے ہے آدم کا نمونہ باقی — میرے ہی دم سے ہے عالم میں نمودِ بشری

ورنہ انسان کہ ہے جرم و خطا کا پُتلا — میں نہوتا تو بھلا اُسکا ٹھکانا کیا تھا

بیڑا فرعون کا جب غرق فنا ہوتا تھا — میں وہاں ساحلِ دریا پہ کھڑا روتا تھا
تجھ سے ہوتے اگر اے عدل جہاں ہیں دو چار — لُٹ گئی ہوتی کبھی کی مرے گلشن کی بہار

---

جب سُنا رحم سے یہ ولولہ انگیز خطاب — کہا انصاف نے ہو حکم تو دوں اسکا جواب
آپ کی نیکیوں سے کِس کو ہے اِنکار یہاں — کیونکہ ہے ذکرِ جمیل آپ کا مشہور جہاں
مگر اے رحم بُرا ماننے کی بات نہیں — نیکیاں آپ کو کردیں نہ یہ بدنام کہیں
ہم نے مانا کہ مُروّت بھی بڑی ہے ایک چیز — پر مُروّت کے لئے شرط ہے اے دوست تمیز
کھو دیا جس نے مُروّت کو یہاں عام کیا — اُسکو رُسوا کیا اور آپ کو بدنام کیا
بول میٹھے نہیں آفت کے یہ پرکالے ہیں — اِس مُروّت نے تری سیکڑوں گھر گھالے ہیں
دوستوں کو ہے اشارا کہ کسی سے نہ ڈرو — دشمنوں سے یہ مدارا ہے کہ جا ہو سو کرو
چور چوری سے نہیں ڈرتے بدولت تری — لئے پھرتی ہے اُچکّوں کو حمایت تری
جتنے قزّاق ہے یہاں اُنکا مددگار ہے تو — اور سب ڈاکوؤں کا قافلہ سالار ہے تو
ہوا جس ملک میں سرکار کا جاری فرمان — اُسکو سمجھو کہ ہوا اب کوئی دن میں ویران
باپ کا حکم نہیں مانتے فرزندِ رشید — اور نوکر نہیں دیتے کبھی آقا کو رسید
لڑکے اُستاد کی گھُرکی کو نہیں مانتے کچھ — بدمعاش اہلِ پولس کو نہیں گردانتے کچھ
اہلکاروں کا کچہری میں جو دیکھو ہوا — سمجھو دیوان عدالت کو کہ ہے اِک بازار
پیٹ بگڑے ہوئے وھاں پھرتے ہیں حاجت والے — اور مونھ کھولے ہوئے بیٹھے عدالت والے

نہیں حاکم کی مروّت سے اُنھیں خوفِ مآل
ہر طرف بیچ میں دلّال ہیں یا کچھ چھوٹ ہے
یُوں تو اے رحم تری ذات میں جوہر ہیں بہت
ایک رہزن کو جو تو قید سے چھٹواتا ہے
باپ کو ہونے نہیں دیتا جو بیٹے سے خفا
مار پر اُٹھنے نہیں دیتا جو اُستاد کا ہاتھ
میٹھی باتوں میں تری زہرِ ہلاہل ہے بھرا
کاش تو بھی مرے قانون پہ چلتا اے رحم
بے مروّت ہوں اگر مَیں تو یہ جوہر ہے مرا
راستبازی جو سُنی ہو وہ طبیعت ہے مری
مُعتدل نام ہے جسکا وہ مزاج اپنا ہے
مَیں ہی تھا جس نے کہ ویرانوں کو آباد کیا
حکم سے میرے ہوئی کونسلوں کی ماموری
کھو دیا مَیں نے نشانِ سلطنتِ شخصی کا
مجلسیں سیکڑوں ملکوں میں بٹھائیں مَیں نے
حکم و قانون کسی گھر میں مُقیّد نہ رہا
جس طرح ظلم کا اے رحم روادار نہیں

"بول کیا لایا ہے" اظہار کا پہلا ہے سوال
دونوں ہاتھوں سے غرضمندوں کو ہیں کھینچتے
خیر تھوڑی ہے مگر آپ میں اور شر ہیں بہت
بیسیوں قافلوں کو جان سے لٹواتا ہے
بے ادب رکھنا اُسے چاہتا ہے تو گویا
یہ سلوک اچھے نہیں ہیں ترے شاگرد سے بھی
تیرا آغاز تو اچھّا ہے یہ انجام بُرا
اپنے اندازہ سے باہر نہ نکلتا اے رحم
جسکو تو عیب سمجھتا ہے وہ زیور ہے مرا
اور عدالت جسے کہتے ہیں وہ عادت ہے مری
بھاگ اُس ملک سے جس ملک میں راج اپنا ہے
مَیں ہی تھا جس نے کہ اخباروں کو آزاد کیا
رائے سے میرے بنیں سلطنتیں جمہوری
اور دنیا سے غلامی کو مٹا کر چھوڑا
راہیں اغلاط سے بچنے کی سُجھائیں مَیں نے
سلطنت نام ہے اب قوم کی پنچایت کا
مَیں اسی طرح سے تیرا بھی مددگار نہیں

سر ذرا جس نے اُٹھایا اُسے ٹھوکر چھوڑا
پاپ کی ناؤ کو دریا میں ڈبو کر چھوڑا

حکم عالم میں مرا شرق سے تا غرب ہے عام
جس نے مانا نہ مرا حکم رہا وہ ناکام

رائے کرتی نہیں میری کسی حالت میں خطا
تیر لگتا ہے مرا جا کے نشانے پہ سدا

میں دکھا دیتا سیاست کی گر اپنی تلوار
چل نہ سکتا کبھی قابیل کا ہابیل پہ وار

کارفرما ہے جہاں میری عدالت اے رحم
دم نہیں مارتی وہاں تیری مروّت اے رحم

وہاں تعصّب کا پتا اور نہ عداوت کا گزر
نہ قرابت کا نشاں اور نہ محبّت کا اثر

حکم جاری ہے جدھر دیکھئے آزادی کا
بڑھ کے چلتا نہیں وہاں شاہ سے لیکے تا گدا

کجروی مکر سے کہتی ہے میں آئی تو چل
بڑے سے تا چھوٹے کے لئے ایک آئین جانتے ہیں نکل

پاکبازوں کو نہیں عہد میں میرے کھٹکا
جو کنو نڈے ہیں وہی مجھ سے کھٹکتے ہیں سدا

سات پردوں میں اگر عیب کسی کا ہے چھپا
نہ ہوا آج تو کل ہوگا مقرر رسوا

ہیں خطا کار کے دشمن در و دیوار یہاں
بھائی بھائی کے نہیں ہوتے مددگار یہاں

اور اگر عیب سے ہے پاک کسی کا دامن
غم نہیں اُسکا ہو گر سارا زمانہ دشمن

نہ رعیّت کا اُسے خوف نہ کچھ شاہ کا ڈر
نہ اُسے چور کا خطرہ نہ اُسے ساہ کا ڈر

نہ عدالت میں اُسے ڈر کسی فریادی کا
اور نہ کچھ دغدغہ اخباروں کی آزادی کا

جو ہنرمند ہیں دل اُنکے بڑھاتا میں ہوں
خوبیاں اُنکی زمانہ میں جتاتا میں ہوں

بے ہنر ہو کسی پیرایہ میں یہاں جلوہ نما
عہد میں میرے ہنرمند نہیں بن سکتا

یہاں نہ استاد کو شاگرد کی اصلاح سے عار
اور نہ شاگرد کو اپنی غلطی پر اصرار

سُنتے جاہل سے ہیں گر فائدہ کی بات حکیم
نوکر آقا کی جتاتا ہے اگر کوئی خطا
کرنے پاتے نہیں گاہک پہ دُکاندار ستم
بیَل ہو جبہ نہیں آر کسی کی کھاتا
اُونچے اُونچوں سے یہاں لیتے ہیں خدمت پوری
محنتی جتنے ہیں یہاں خرّم و دل شاد ہیں سب
اہلِ مقدور کو کھٹکا نہیں کچھ چوروں سے
خوب کو خوب سمجھتی ہیں یہاں زشت کو زشت
جھوٹے سچّوں کا نہیں بھیس بدلنے پاتے
جس طرف جائیے یہاں امن و اماں کا ہے عمل
جس قلمرو میں کہ جاری نہیں میرا فرماں
دوست اللہ کے ہیں ٹھیرتے معتوب[1] وہاں
نیک فرزند ہیں ماں باپ کے جو حلقہ بگوش
مان رکھا ہے جنھیں قوم نے اولادِ رسول
زکریا کی طرح جو ہیں گے خدا کے پیارے

مُستفیدوں کی طرح کرتے ہیں اُسکو تسلیم
بن نہیں آتا کچھ آقا سے ندامت کے سوا
جنس یہاں تُل نہیں سکتی کبھی مقدار سے کم
سُدھ مُنے گھوڑے پہ چابک نہیں اُٹھنے پاتا
اور مزدوروں کو دیتے ہیں کھری مزدوری
خوار پھرتے ہیں وہی جو کہ ہیں آرام طلب
زورمند آنکھ ملاتے نہیں کمزوروں سے
ماپ سے کم نہیں لگتی کہیں تعمیر میں خشت
دام بازار میں کھوٹے نہیں چلنے پاتے
فتنہ سرحد سے مری جاتا ہے کترا کے نکل
ظلم کے ہاتھ میں واں حکم و عمل کی ہے عناں
اور مسیحائے زماں ہوتے ہیں مصلوب وہاں
رام لچھمن کی طرح پھرتے ہیں وہاں خانہ بدوش
قوم کے ہاتھ سے ہوتے ہیں وہ پیاسے مقتول
اُنکے سر پر ہیں سدا ظلم کے چلتے آرے

[1] صحیح لفظ مُعاتب ہے مگر اُردو میں بجائے معاتب کے معتوب بولا جاتا ہے جیسے بجائے مُعفو کے معاف
میں اُردو میں یہی صحیح ہے اور یہی فصیح +

زہر سُقراط سے ناصح کو پلا دیتے ہیں — اور یُوسف سے برادر کو دغا دیتے ہیں +

---

گفتگو ختم پہ اِنصاف کی جب آپہنچی — عقل پُرکار قضا کار وہاں جا پہنچی
وھاں جو دیکھا تو ہی دو بھائیوں کچھ تکرار — اور ہر اک کو بزرگی پہ ہے اپنی اِصرار
رحم ادھر عدل سے کہتا ہے کہ تو ہی کیا چیز — اور اُدھر رحم کو ہے عدل سمجھتا ناچیز
عقل نے دونو کی تقریر سُنی سرتاپا — کہہ چکے وہ تو یہ سنجیدہ جواب اُنکو دیا
خیر اِک کان ہے تم جسکے ہو جوہر دونو — ایک سے ایک ہو تم بہتر و برتر دونو؛
صاف کہتی ہوں سُن اے رحم نہیں اسمیں خلاف — تو ہے اک قالبِ بے روح نہو گر انصاف
اور سُن اے عدل نہیں اسمیں تکلف سر مو — گر نہو رحم تو اِک دیدۂ بے نور ہے تو
دونو تم خلق کی ہو مایۂ آرام و شکیب — گل و شبنم کی طرح ایک سے ہے ایک کو زیب
سرسری فیصلہ تو یہ ہے اگر تم مانو — اور نہیں مانتے گر بات مری تم جانو
ابھی اِک نکتہ میں تم دونو کو جھٹلاتی ہوں — لو سنو غور سے مَیں کہتی ہوں لو رجاتی ہوں
فرق اصلا نہیں تم دونو میں لڑتے کیوں ہو — جبکہ تم ایک ہو آپسمیں جھگڑتے کیوں ہو
وہی اِک شے ہے کہ ہے عدل کہیں نام اُسکا — کہیں مظلوم کی فریادرسی کام اُس کا
رحم کہلائی جو مظلوم کی فریاد سُنی — عدل ٹھہری جو سزا ظالم بے رحم کو دی
وُہی شفقت ہے کہ اُستاد کی ہے مار کبھی — اور ماں باپ کی ہو جاتی ہے چمکار کبھی
وُہی شفقت ہے کہ ہے گھور کہیں پیار کہیں — وہی جلوہ ہے کہ ہے نور کہیں نار کہیں

کہیں وہ مہر کی صورت میں عیاں ہوتی ہے — اور کہیں قہر کے پردے میں نہاں ہوتی ہے

کہیں وہ قندِ مکرر کا مزا دیتی ہے — اور کہیں چاشنیٔ موت چکھا دیتی ہے

یہی شفقت تھی کہ جب اُس نے سمجھایا انجام — شیخ فاروق نے بیٹے کا کیا کام تمام

یہی شفقت تھی کہ جب ہوگیا بیجان پسر — ایک برچھی سی لگی باپ کے دل میں آکر

یہی شفقت ہے کہ زخمی کہیں کرواتی ہے — یہی شفقت ہے کہ پھر زخم کو بھرواتی ہے

رحم اور عدل سے جب عقل نے تقریر کی — اور دی ساتھ ہی حالی نے شہادت اُسکی

رہی باقی نہ فریقین کو جائے انکار — چار ناچار کیا ایک جہتی کا اِقرار

بڑھ کے پھر دونو ملے ایسے کہ تھے گویا ایک

ملکے ہوجائیں کہیں جیسے کہ دو دریا ایک

# مسدّس موسوم بہ ننگِ خدمت

مرتبہ ۱۸۷۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یادِ ایّام کہ بیرنگ تھی تصویرِ جہاں
گل خودرو سے بسا تھا چمن کون و مکاں
دستِ مشّاطہ نہ تھا محرمِ زلفِ دوراں
چارسو حُسنِ خداداد کا سکہ تھا رواں

وضعِ عالم میں نہ آیا تھا تغیّر اب تک
خطِ قدرت کی وُہی شان تھی اور نوک پلک

طفلِ معصوم کی مانند تھا یہ عالمِ پیر
ملکِ فطرت میں نہ تھی سلطنتِ نفسِ شریر
تھے ہم اِک صنعتِ بیچون وچرا کی تصویر
طبع نے مملکتِ روح نہ کی تھی تسخیر

خوابِ غفلت کی گھٹا دل پہ نہ چھائی تھی بہت
دن چھپا تھا ابھی اور رات نہ آئی تھی بہت

مال و دولت کی ہوس میں نہ گرفتار تھے ہم
آپ ہی اپنے ہر اِک رنج میں غمخوار تھے ہم
نہ بلندی کے نہ رفعت کے طلبگار تھے ہم
مددِ غیر سے اصلا نہ خبردار تھے ہم

جو سبق آئے تھے اُستادِ ازل سے لے کر
وُہی ہر منزل و ہر راہ میں تھا یہاں رہبر

اصل سے دور بہت ہونے پائے تھے ابھی
دیس سے چھوٹ کے پردیس میں آئے تھے ابھی

دن جدائی کے نصیبوں نے دکھائے تھے ابھی
ڈال سے توڑ کے بازار میں لائے تھے ابھی

عرصہ گزرا تھا مسافر کو نہ غربت میں بہت
جی لگا تھا نہ ابھی غیروں کی صحبت میں بہت

صاف آئینۂ دل میں نظر آتا تھا کوئی
روبرو جسکے جگہ دل میں نہ پاتا تھا کوئی

جی وہ جی تھا کہ نہ جس جی کو لبھاتا تھا کوئی
آنکھ وہ آنکھ تھی جسمیں نہ سماتا تھا کوئی

روح تھی بادۂ دوشینہ سے اپنی بدمست
تھا ترقی پہ ابھی نشۂ صہبائے الست

اسقدر عمر دوروزہ پہ نہ مغرور تھے ہم
عیش و عشرت کے طلسموں سے بہت دور تھے ہم

کسی محنت سے مشقت سے نہ معذور تھے ہم
آپ ہی راج تھے اور آپ ہی مزدور تھے ہم

تھے غلام آپ ہی اور آپ ہی آقا اپنے
خود ہی بیمار تھے اور خود ہی مسیحا اپنے

خودنمائی و خودآرائی کا کچھ دھیان نہ تھا
کبر و پندار کا جاری کہیں فرمان نہ تھا

گھر میں سامان نہ تھا در پہ نگہبان نہ تھا
جی میں فرعون زماں بننے کا ارمان نہ تھا

آکے دنیا میں بہت پانو نہ پھیلاتے تھے
اک مسافر کی طرح رہ کے چلے جاتے تھے

خاک کو نرم بچھونوں سے سوا جانتے تھے
روکھ کی چھانو کو ہم ظل ہما جانتے تھے

مل گیا جو - اُسے انعامِ خدا جانتے تھے
نہ بُرا جانتے تھے اور نہ بھلا جانتے تھے

قناعتِ نفس فرومایہ سے آزاد تھے ہم
ساگ اور پات پہ گذران تھی اور شاد تھے ہم

تھی سفر میں نہ سواری کی ضرورت نہ ہوا
طے انھیں قدموں سے کرتے تھے ہر اک راہگذار

کھانے پینے کو نہ تھے ظرفِ بلوریں کار
انھیں ہاتھوں پہ خورونوش کا تھا اپنی مدار

شرم آتی تھی نہ ہل جوتے کھانے سے ہمیں
عیب لگتا تھا نہ کچھ ڈھور چرانے سے ہمیں

تھک کے محنت سے جو ہم بھوک میں کھاتے تھے طعام
دیتے تھے کُلّہ بریاں کا مزا گندمِ خام

دستِ بازو کی بدولت تھا ہمیں عیش مدام
خوب کٹتے تھے مشقت میں ہمارے ایام

پیٹ کے مارے کہیں سر نہ جھکاتے ہم تھے
آبرو نفس کی خاطر نہ گنواتے ہم تھے +

کرنے پڑتے تھے ضیافت میں نہ سجا سامان
نانِ جو کھاتے تھے خوش ہو کے ہمارے مہمان

تھا بناوٹ کا پتا اور نہ تکلف کا نشاں
ایک قانون کے پابند تھے دل اور زباں

طبلِ ظاہر کی نمائش کے نہ بجتے تھے وہاں
جو برتتے تھے زیادہ نہ گرجتے تھے وہاں

آمدِ موسمِ گل میں تھا عجب لطف ہوا
آندھیوں نے کئے انجام کو طوفان برپا

چشمہ نزدیک تھا منبع سے تو تھا عین صفا
جتنا بڑھتا گیا ہوتا گیا پانی گدلا +

مِٹتے مِٹتے اثرِ صدق و صفا کچھ نہ رہا
آخری دَور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا

اے جہاں اے روشِ تازہ بدلنے والے
موم کی طرح ہر اک سانچے میں ڈھلنے والے
نت نئی چال نئی ڈھال سے چلنے والے
روز اِک سانگ نیا بھر کے نکلنے والے

آج کچھ اور ہے کل اور تھی کچھ شان تری
ایک سے ایک نہیں ملتی کہیں آن تری

اِک زمانہ تھا کہ ہموزن تھے سب خرد و کلاں
ایک اسلوب پہ تھی گردشِ پرکار زماں
لہلہاتی تھی بنی نوع کی کھیتی یکساں
شہر و ویرانہ و آباد میں تھا ایک سماں

قدر و قیمت میں نہ تھا فرق کسی کی اصلا
کوئی پلہ تھا ترازو کا نہ اونچا نیچا +

ایک سے ایک کم تھا نہ زیادہ سرِ مو
حاجتیں لیکے کسی در پہ گئے تھے نہ کبھو
سب تھے ہم ایک ترائی کے درختِ خودرو
نہ زمیں بوس کی عادت تھی نہ تسلیم کی خو

دستِ قدرت کے سوا سر پہ کوئی ہات نہ تھا
ایک قبلہ تھا کوئی قبلۂ حاجات نہ تھا

ناگہاں جور و تغلب کا اِک اُٹھا طوفاں
اقویا ہاتھ ضعیفوں پہ لگے کرنے رواں
جس کے صدمہ سے ہوئی زیر و زبر نظمِ جہاں
بکریوں کو نہ رہی بھیڑیوں سے جائے اماں

تیز دنداں ہوئے جنگل میں غزالوں پہ پلنگ

مچھلیوں پر لگے مُونھ کھولنے دریا میں نہنگ

حق نے شائستۂ ہر باب بنایا تھا ہمیں
ایک ہی دام میں پھنسنا نہ سکھایا تھا ہمیں
رستہ ہر کوچہ و منزل کا بتایا تھا ہمیں
زینہ ہر بام پہ چڑھنے کا دکھایا تھا ہمیں

ایسا کچھ بادۂ غفلت نے کیا متوالا +
طوق خدمت کا لیا اور گلے میں ڈالا

درِ مخلوق کو ہم ملجا و ماوےٰ سمجھے
طاعتِ خلق کو اعزاز کا تمغا سمجھے
پیشۂ و حرفہ کو اجلاف کا شیوہ سمجھے
ننگ ہے خدمت کو شرافت کا تقاضا سمجھے

عیب گِننے لگے نجّاری و حدّادی کو
بیچتے پھرنے لگے جوہرِ آزادی کو

نوکری ٹھہری ہے لے دیکے اب اوقات اپنی
پیشہ سمجھے تھے جسے ہو گئی وہ ذات اپنی
اب نہ دن اپنا رہا اور نہ رہی رات اپنی
جا پڑی غیر کے ہاتھوں میں ہر اک بات اپنی

ہاتھ اپنے دلِ آزاد سے ہم دھو بیٹھے +
ایک دولت تھی ہماری سو اُسے کھو بیٹھے

کرتے ہیں قصدِ تجارت تو گرہ میں نہیں دام
دستکاری کو سمجھتے ہیں کہ ہے کارِ عوام
نہیں ہل جوتنے میں راحت و آرام کا نام
بنتے پھرتے ہیں اسیواسطے ایک ایک کے غلام

نظر آتی نہیں مطلب کی کوئی گھات ہمیں
وہ پڑا نقشہ کہ ہر چال میں ہے مات ہمیں

ایک آقا ہو تو خدمت کا ہو حق اسکی ادا
زید کی رائے جدا عمرو کی تجویز جدا

ایک افسر ہو تو حکم اسکا کوئی لائے بجا
ایک بندہ کو بھگتنے کئی پڑتے ہیں خدا

بھاگو خدمت سے کہ اچھا نہیں انجام اسکا
جس کا پتھر کا کلیجہ ہو وہ لے نام اس کا

کہیں بہتان کا اندیشہ کہیں بیم گناہ
جھیلنے روز وہ افسر کہ نہو جن سے نباہ

کہیں غماز کا دھڑکا کہیں خوف بدخواہ
خدمت اک بار گراں ہے کہ عیاذاً باللہ

پڑے پتھر پہ تو پتھر میں گرانی نہ رہے
گذرے دریا پہ تو دریا میں روانی نہ رہے

آتی ہیں نوکروں کے سر پہ بلائیں اکثر
ماننی پڑتی ہیں ناکردہ خطائیں اکثر

بے سبب انپہ گذرتی ہیں جفائیں اکثر
سامنے جاتے ہیں پڑھ پڑھکے دعائیں اکثر

غیرت آتی جنھیں وہ ٹھیرنے پاتے نہیں یہاں
جو کہ عاقل ہیں کبھی کان ہلاتے نہیں یہاں

لیجئے فرض کہ ہے زید بڑا منصبدار
فرق دونوں میں نہیں اسکے سوا کچھ زنہار

اور عمرو اسکا ہے اک بندہ فرمانبردار
کہ یہ میلا ہے وہ اجلا یہ پیادہ وہ سوار

ورنہ انصاف سے دیکھو تو ہیں نوکر دونو
قید میں عجز میں ذلت میں برابر دونو

عمرو کرتا ہے اگر اسکا ادب اور تعظیم
کرنی پڑتی ہے اسے بھی کہیں جھک کر تسلیم

زیدکی جھڑکیوں سے گر ہے دلِ عمرو دونیم
جا کے سنتا ہے کہیں یہ بھی الفاظِ سقیم

پاجی احمق اپنے گھر کا اگر ہے دستور
ڈام فول اسکو بھی سننا کہیں پڑتا ہے ضرور

رکھتے ہیں حضرتِ انسان جو بڑائی میں قدم
مالکوں سے انہیں گر جھیلنے پڑتے ہیں ستم
گاؤ و خر ان سے ہیں کیا جانئے کس بات میں کم
ذلتیں انکے لئے بھی ہیں مہیّا ہر دم

ننگِ خدمت کی حقیقت کو بشر گر سمجھے
چاکروں کو گدھے اور بیل سے بدتر سمجھے

کیسے اپنے بچھڑنے کا ہے گر انکو ملال
نوکری نے جو ہیں دکھلایا طلسمِ اقبال
مدتیں گذریں کہ لوٹا گیا یہاں عیشِ وصال
چھوڑکر شہرِ وطن کو ہوئے جو یاے محال

گھر چھٹا یار چھٹے خویش و یگانہ چھوٹا
ایک ذلت رہی اور سارا زمانہ چھوٹا

انکی گردن میں اگر قید کی رسّی ہے پڑی
تازہ حکموں کی لگی رہتی ہے ہر وقت جھڑی
اپنی بے بال و پری کی بھی کہانی ہے بڑی
نہیں خالی کوئی ساعت کوئی پل کوئی گھڑی

مرغِ بے پر کی طرح قیدیٔ صیّاد ہیں ہم
کہئے پھر کونسی حجت سے کہ آزاد ہیں ہم

ہوتے ہیں فرطِ مشقت سے اگر وہ رنجور
دیکھ لیتے نہیں جبتک کہ ہوئے روگ سے دور
مالک انکی نگرانی میں نہیں کرتے قصور
رکھتے ہیں محنت و تکلیف سے انکو معذور

جانتے ہیں۔ یہی دھن ہے یہی دولت اپنی
دم سے وابستہ انھیں کے ہے معیشت اپنی

اپنی گر جان پہ بنجائے مشقت سے یہاں
مطمئن ہیں کہ ہیں مزدوروں کا دنیا میں سماں

نہیں اُمید کہ گزرے کسی خاطر پہ گراں
نہوا ایک تو رکتی نہیں تعمیر مکاں

بھرتے ہیں پیٹ کی یہاں دیتے دوہائی لاکھوں
گر نہیں آپ تو ہیں آپکے بھائی لاکھوں

حق کسی کا نہیں ماتحت ہو یا ہو افسر
یہی گھر بدلیاں رہتی ہیں یہاں شام و سحر

ایک سے کام لیا ایک کو سونپا دفتر
فی المثل ایک کرایہ کی دکاں ہے نوکر

رہے۔ جب تک کسی بنیاد میں آیا نہ خلل
جب لگی بیٹھنے لی جا کے کہیں اور بدل

نوکروں سے ہیں یہاں کم کہیں رتبہ میں سوا
گائے ہو بیل ہو گھوڑا ہو کہ ہو اسمیں گدھا

کہ نہیں خدمتِ ہمجنس کا اُن پر دھبا
ایک کا ایک کو تابع کہیں دیکھا نہ سُنا

کسی مخلوق کو رتبہ نہ خدا نے بخشا
جو غلاموں کو شرف عقل رسا نے بخشا

اس سے بڑھکر نہیں ذلت کی کوئی شان یہاں
ایک گلہ میں کوئی بھیڑ ہو اور کوئی شباں

کہ ہو ہمجنس کی ہمجنس کے قبضے میں عناں
نسلِ آدم میں کوئی ڈھور ہو کوئی انساں

ناتواں بھیڑ کوئی کوئی تنومند بنے
ایک نوکر بنے اور ایک خداوند بنے

ایک ہی تخم سے پیلو بھی ہو شمشاد بھی ہو
ایک ہی ڈار میں آہو بھی ہو صیاد بھی ہو

ایک ہی اصل سے خسرو بھی ہو فرہاد بھی ہو
ایک ہی نسل سے بندہ بھی ہو آزاد بھی ہو

ایک ہی سبزہ جو تازہ بھی ہو خشک بھی ہو
ایک ہی قطرۂ خوں ریم بھی ہو مشک بھی ہو

ایک وہ ہیں کہ نہیں غیر کے فرمانبردار
نہیں سرکار سے دربار سے انکو سروکار

اپنی ہر بات کے ہر کام کے خود ہیں مختار
جس جگہ بیٹھ گئے ہے وہی انکا دربار

گر تونگر ہیں تو دس بیس ہیں انکے محکوم
ورنہ خادم ہیں کسی کے نہ کسی کے مخدوم

حکم سے کوئی نہیں انکا بلانیوالا
بیٹھ جائیں تو نہیں کوئی اٹھانیوالا

جبر سے کوئی نہیں انکا دبانیوالا
سو رہیں جب تو نہیں کوئی جگانیوالا

اٹھ کے چلدیں تو نہیں روکنے والا کوئی
الٹے پھر جائیں جو ہو ٹوکنے والا کوئی

ایک وہ ہیں کہ زمانہ کرے انصاف اگر
جوہری جو ہیں وہ سب انکے پرکھ لیں جوہر

اور کھل جائیں کمالات بھی انکے سب پر
کامیابی ہتیں انکے لئے اس سے بڑھ کر

کہ سدا قید رہیں مرغ خوش الحاں کی طرح
جاکے بک جائیں کہیں یوسف کنعاں کی طرح

دیکھ لیں جب انھیں ہر علم و ہنر میں یکتا
شرف ذات میں اور اصل و گہر میں یکتا

زور بازو میں بلندیٔ نظر میں یکتا
الغرض جملہ کمالاتِ بشر میں یکتا
اور پھر اسپہ مدد طالعِ بیدار کی ہو
تب نصیب اُنکو غلامی کسی سرکار کی ہو

ورنہ دن رات پھریں ٹھوکریں کھاتے دردر
سَنَدیں چٹھیاں پروانے دکھاتے دردر
چاپلوسی سے دل ایک ایک کا لبھاتے دردر
ذائقہ نفس کو ذلّت کا چکھاتے دردر
تاکہ ذلّت سے بسر کرنے کی عادت ہو جائے
نفس جس طرح بنے لائقِ خدمت ہو جائے

کوئی دفتر نہیں اور کوئی کچہری ایسی
کہ جہاں گذری ہو ایک آدھ نہ عرضی اُنکی
سنتے مشرق میں ہیں گر کوئی اسامی خالی
قافلے ہوتے ہیں مغرب سے اُسی دم راہی
برسوں اس پر بھی گذر جاتے ہیں بے نیلِ مرام
کوئی آقا نہیں ملتا کہ بنیں اُسکے غلام

تنگ ہوتے ہیں تو تقدیر کا کرتے ہیں گلا
کبھی ٹھہرالیتے ہیں گردش کو زمانہ کی بُرا
کبھی سرکار کو کہتے ہیں کہ ہے بے پروا
کبھی فرماتے ہیں یہ ہو کے مشیّت سے خفا
وعدۂ رزق میں سُنتے تھے کہ ہوتی نہیں دیر
پھر جو نوکر نہیں ہوتے تو یہ ہے کیا اندھیر

جانتے ہیں کہ ہے جس رزق کا ہم سے وعدہ
اُسکا حیلہ نہیں یہاں کوئی غلامی کے سوا
اور دروازے ہوئے بند سب اُن پر گویا
اب فلک پر انھیں ملجا نہ زمیں پر ماویٰ

کام ہوتا کوئی اور اُن سے سرانجام نہیں
جس طرح بیل کو جُتنے کے سوا کام نہیں

جنکے اسلاف نے تھا قوم کا دیکھا اقبال
پاتے ہیں اُنکو عنایات سے شاہوں کی نہال

یاد کرلیتے ہیں جب اسلاف کا وہ جاہ و جلال
مال و دولت سے اُنھیں دیکھتے ہیں مالا مال

ایک کی ایک سے پاتے ہیں فزوں تر توقیر
کوئی بخشی کوئی دیوان کوئی صدر کبیر

دیکھتے جب ہیں کہ دمساز تھے اُنکے ایّام
کہتے ہیں خدمتِ سلطاں میں ہے اعزاز تمام

بادۂ عیش سے لبریز تھا جام اُنکا مدام
اِسلئے ہم نے لیا پیشۂ آبائے کرام

دیکھیں مونھ ڈال کے گر اپنے گریباں میں وہ
عمر برباد کریں پھر نہ اِس ارمان میں وہ

ہنس کی چال حماقت سے چلا جو کوّا
پیروی کرتے ہیں اسلاف کی اب جو حمقا

اپنی بھی چال گیا بھول بقولِ حکما
وہ نہیں جانتے رنگ آج زمانہ کا ہے کیا

اپنا کیا حال ہے اسلاف کی حالت کیا تھی
اپنی توقیر ہے کیا اُنکی وجاہت کیا تھی!

سلطنت کے وہی اعضا تھے وہی تھے ارکاں
رتق اور فتق کی ہاتھوں میں اُنھیں کے تھی عناں

اُنکے ہر حال میں دربار کو تھا اطمیناں
طبل و نقّارہ اُنھیں کا تھا اُنھیں کا تھا نشاں

تھے وہی قائدِ لشکر وہی دفتر کے دبیر
تھے وہی شرع کے مفتی وہی دولت کے مشیر

مشورت اُنسے ہر اک بات میں لیجاتی تھی — جستجو اُنکی مہمّات میں کی جاتی تھی
رخصتِ خلوت و جلوت اُنھیں دیجاتی تھی — سب چھپی اور ڈھکی اُنسے کہی جاتی تھی

ڈھونڈ ڈھونڈ اُنکو بُلاتے تھے حکومت کے لئے
خدمت اُنکے لئے تھی اور وہ خدمت کے لئے

اُنکی نسلوں کی بھی کیا آج یہی ہے توقیر — نوکری کے لئے پھرتے ہیں جو کرتے تدبیر
کاش سُوجھے اُنھیں جو پیٹ رہے ہیں وہ لکیر — کاش سمجھیں کہ ہیں کس وہم کے پھندے میں اسیر

بھاگواں آیا تھا جو قوم پہ وہ سال گیا +
گئے منصب بھی جہاں قوم کا اِقبال گیا +

اب حسب اور نسب پر نہیں نازش کا محل — گردشِ دہر نے دی صورتِ احوال بدل
خاندانوں کی نجیبوں کے گئی ٹھیک نکل — کسی قابل نہ رہے شیخ نہ سیّد نہ مُغل

گر گئے جو مئے پندار کے تھے متوالے +
بڑھ گئے پیشہ و مزدوری و محنت والے

جن کو منظور ہے مشکل کو نہ دشوار کریں — چاہئے سعی و مشقت سے نہ وہ عار کریں
ہو میسر جنھیں وہ خدمتِ سرکار کریں — ورنہ مزدوری و محنت سرِ بازار کریں

آبرو اِسمیں ہے شاں اِسمیں ہے عزت اِسمیں
فخر اسمیں ہے شرف اس میں شرافت اِسمیں

پیشہ سیکھیں کوئی فن سیکھیں صناعت سیکھیں — کشتکاری کریں آئین فلاحت سیکھیں
گھر سے نکلیں کہیں آدابِ سیاحت سیکھیں — الغرض مرد بنیں جرأت و ہمّت سیکھیں

کہیں تسلیم کریں جاکے نہ آداب کریں -
خود وسیلہ بنیں اور اپنی مدد آپ کریں

بیٹا عمران کا وہ فخرِ بنی اسرائیل
جس نے فرعون کے لشکر کو کیا خوار و ذلیل

ہم سخن جس سے ہوا طور پہ خود ربِّ جلیل
جسکے خود دستِ عصا میں تھی رسالت کی دلیل

گلّہ بانی کے لیئے پایا جو ایمائے شعیب ع
بکریاں اُس نے چرانے میں نہ سمجھا کچھ عیب

انبیا پیشہ پہ گزران سدا کرتے رہے
خدمتِ جنس سے نفرت حکما کرتے رہے

اولیا خلق کی طاعت سے اِبا کرتے رہے
حاجتیں آپ ہی سب اپنی روا کرتے رہے

اپنے ہاتھوں سے ہر اک کام نبیڑا اپنا +
کھینچکر لیگئے خود موج سے بیڑا اپنا +

کی ہے مردوں نے اِسی طرح سے دنیا میں گذر
نہ ہوئے غیر کے تا زیست کبھی دست نگر

ہوئی تکلیف سے یا چین سے اوقات بسر
جب پڑی اپنے ہی بازو پہ پڑی جاکے نظر

گئے دلجمع یہاں سے کہ پریشان گئے
پر زمانہ کے نہ شرمندۂ اِحسان گئے

ہونگے حالی سے نہ دنیا میں کہیں بیرہ سرا
جُھکتے جُھکتے ہوئی پُشت آپکی خدمت میں دوتا

خود ہیں گمراہ مگر قوم کے ہیں راہنما +
اِسپہ ہے خیر سے آزادہ روی کا دعوے

بات کہنی وُہی زیبا ہے کہ ہو جس میں اثر
ورنہ بے صرفہ نصیحت سے خموشی بہتر

# ترکیب بند بر مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈھ

مرتبہ سنہ ۱۸۸۰ع

جھٹ پٹے سے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سرِ رہ لا کے روشن کر دیا

تاکہ رہگیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گذر جائے ہر اک چھوٹا بڑا

یہ دیا بہتر ہے اُن جھاڑوں سے اور اُس لیمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جنکی سدا

گر نکلکر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھئے
ہے اندھیر اگھپ در و دیوار پر چھایا ہوا

سُرخرو آفاق میں وہ رہنما مینا رہیں
روشنی سے جنکی ملّاحوں کے بیڑے پار ہیں

ہم نے اُن عالی بناؤں سے کیا اکثر سوال
آشکارا جنسے اُنکے بانیوں کا ہے جلال

شان و شوکت کی تمہاری دھوم ہے آفاق میں
دُور سے آ آ کے تمکو دیکھتے ہیں باکمال

قوم کو اِس شان و شوکت سے تمہاری کیا مِلا
دو جواب اسکا اگر رکھتے ہو یارائے مقال

سرنگوں ہو کر وہ سب بولیں زبانِ حال سے
ہو سکا ہم سے نہ کچھ الا انفعال الانفعال

بانیوں نے تھا بنایا اسلئے گویا ہمیں
ہمکو جب دیکھیں خلف اسلاف کو رویا کریں

شوق سے اس نے بنایا مقبرہ اک شاندار
اور چھوڑا اُس نے اک ایوانِ عالی یادگار

ایک نے دنیا کے پود باغ میں اپنے لگائے
ایک نے چھوڑے دفینے سیم و زر کے بیشمار

اک محبِّ قوم نے اپنے مبارک ہاتھ سے
قوم کی تعلیم کی بنیاد ڈالی اُستوار

ہوگی عالم میں کہو۔ سرسبز پھولی پھلی مراد
یا وہ گلوں کی اُمیدیں لائینگی کچھ برگ و بار

چشمہ سرجیون ہے جو۔ بہتا رہیگا یہاں وہی
سب اُتر جائینگی چڑھ چڑھ ندّیاں برسات کی

دُور سے اُمید نے جھلکی سی اک دکھلائی ہے
ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے

قوم کے پیر و جواں سب ہوگئے تھے مُردہ دل
دردمندی جوش میں چند اہلِ دل کو لائی ہے

پاؤگے تاریخ میں ہرگز نہ تم اِسکی مثال
سلطنت نے قوم کی جو یہاں مدد فرمائی ہے

غیر قوموں نے بھی کی ہے شرطِ ہمدردی ادا
یہ بنا چلتی ہوا تک کو بھی دل سے بھائی ہے

آؤ ہم بھی اے عزیزو مغتنم سمجھیں اسے
اِک ضروری کام اپنا کم سے کم سمجھیں اسے

یہ مُبارک گھر نزولِ خیر و برکت ہے جہاں
جِسکی پیشانی سے ظاہر ہیں سعادت کے نشاں

یہ نہالِ تازہ جسکو اِک زمینِ شور میں
خُرّم و سرسبز کرنا چاہتے ہیں باغباں

یہ مسیحائی علاج اُس دردِ بے درمان کا
لا دوا ٹھہرا چکے جِسکو اطبائے زماں

یہ نمونہ اُس عزیزِ مصر کا جِس نے ستم
جنکے ہاتھوں سے سہے دی قحط سے انکو اماں

عہد و پیماں اے عزیزو تم سے کچھ کرلینے کو ہے
قوم کو پھر برکتیں بے اِنتہا دینے کو ہے ✣

آرہی ہے اِس مکاں کے گوشہ گوشہ سے صدا
قوم اگر سمجھے تو ہوں میں قوم کا حاجت روا

ہے کوئی اکسیر دنیا میں تو ہوں اکسیر میں — اور اصل کیمیا کچھ ہے تو میں ہوں کیمیا
ہاتھ آجاتا سکندر کو اگر میرا سراغ — چھوڑ دیتا جستجوئے چشمۂ آبِ بقا
میرے جو حامی ہیں انکی یوں پھلینگی کوششیں — ایک دانہ سے ہوں خوشے جس طرح بے انتہا

ہے عبث گر قوم نے بے وقت پہچانا مجھے +
برکتیں اُن پر جنھوں نے وقت پر جانا مجھے

اُن سے کہہ دو قوم میں ہیں جو کہ عالی خاندان — یا جنھیں جاگیر و منصب پر ہے نازِ بیکراں
کیا لئے بیٹھے ہو فخرِ منصب و جاگیر کو — منصب و جاگیر ہیں سب کوئی دن کے میہماں
تم نہیں رتبہ میں بڑھ کر تغلق و تیمور سے — تنگ ہے آج انکی نسلوں پر زمین و آسماں
چھوڑ جاؤ واسطے اولاد کے کوئی سپر — ورنہ وار اپنا کریگی گردشِ دورِ زماں

آؤ باندھو عہد مجھ سے اور میرا ساتھ دو +
میرا سودا نقد ہے اِس ہاتھ دو اس ہاتھ لو

میں تمہیں پستی سے پہنچاؤنگا تا اوجِ کمال — میں تمہیں دیکھونگا جب گرتا ہوا لونگا سنبھال
میں بناؤنگا تمہارے کام سب بگڑے ہوئے — میں سجھاؤنگا زمانہ کی تمہیں سب چال ڈھال
جو کرینگے آج میری دستِ بازو سے مدد — میں سدا کرتا رہونگا انکی نسلوں کو نہال
قوم کا حامی ہوں اور اسلام کا یاور ہوں میں — چاہو دار الکفر سمجھو مجھ کو یا دار الضلال

میں دکھاؤنگا کہ جو دشمن تھے میرے نام کے
تھے حقیقت میں وہ دشمن قوم اور اسلام کے

ملک میں عزت سے رہنا میں سکھاؤں گا تمہیں  
سلطنت کا معتمد بننا بتاؤں گا تمہیں

قابلیت تم میں بڑھنے کی ہو دیکھوں کسقدر  
بڑھ سکو گے جسقدر اُتنا بڑھاؤں گا تمہیں

تب یہ سمجھو گے کہ ہم سوتے تھے کب کے بے خبر  
دفعتہً جب خوابِ غفلت سے جگاؤں گا تمہیں

یاد ہو گا تم کو وہ کھویا ہوا اپنا خطاب  
پھر مخاطب "خیر امۃ" کا بناؤں گا تمہیں

مجھ کو دیکھو گر مرے دعووں میں ہو کچھ اشتباہ  
روزِ روشن آپ اپنی روشنی پر ہے گواہ

بارک اللہ! اے ریاضِ علم اے عین الحیات  
ہے ہمارے بخت و دولت کی عناں اب تیرے ہات

ہو تو ہو اب روشنی تیری دلیلِ کارواں  
چار سو کالی گھٹا چھائی ہے اور کالی ہے رات

قوم سے تو بھی یونہیں جہل اور تعصب کو مٹا  
جس طرح دینِ حنیفی سے مٹے لات و منات

چھوڑ جائینگے جہاں میں جو کہ تجھ جیسے نشاں  
چھوڑ جائینگے وہی کچھ باقیات الصالحات

ایک باہمت جماعت جب سے تیرے ساتھ ہے  
ہم سمجھتے ہیں ترے سر پر خدا کا ہاتھ ہے

تو سدا آباد رہ اے قوم کی اُمید گاہ  
اے یگانوں اور بیگانوں کے یکساں خیر خواہ

دیکھتے ہیں غیر حیرت اور تعجب سے تجھے  
قوم نے اب بھی اگر سمجھا نہ تجھ کو آہ آہ

اپنے حامی آپ پیدا کر کہ کوہ سر بلند  
اپنی پونجی سے ہے آپ اپنے لئے پشت و پناہ

خیر کی اُمید رکھنی ہے عبث اُس قوم سے  
آپ کو جس نے کیا ہو اپنے ہاتھوں سے تباہ

چارہ آخر کچھ نہیں حالی بجز صبر و سکوں  
کر دعا اب اِهْدِ قَوْمِي إِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

# تعصّب و انصاف

مرتبہ سنہ ۱۸۸۲ء

یاد ہے ہم کو وہ عالم اپنا
جب کہ ہم آپ تھے اپنے پہ فدا

اپنی جو بات تھی خوش آتی تھی
اپنی ایک ایک ادا بھاتی تھی

اپنی ہر آن پہ ہم مرتے تھے
اپنی رعنائی کا دم بھرتے تھے

اپنے انداز کے سودائی تھے
اپنے جلوے کے تماشائی تھے

کان کو اپنی ہی بھاتی تھی الاپ
سر دُھنا کرتے تھے ہم آپ ہی آپ

آپ خوبی پہ تھے اپنی مفتوں
خود ہی لیلیٰ تھے ہم اور خود مجنوں

جس جزیرے میں ہوئے تھے پیدا
اپنی لے دیکھے وہی تھی دُنیا

روم کی تھی نہ خبر شام کی تھی
آگہی طوس نہ بُسطام کی تھی

تھے تماشائی دشتِ پُرخار
کبھی گلشن کی نہ دیکھی تھی بہار

پی کے شور آب ہی ہوتے تھے بحال
کہ نہ چکھا تھا کبھی آبِ زلال

نالۂ زاغ و زغن پر تھے فدا
نہ سُنی تھی کبھی بلبل کی صدا

سیر و انگوزہ کی بو پر تھے نثار
کہ نہ سونگھا تھا کبھی مشکِ تتار

پرنیاں جانتے تھے کمبل کو
کہ نہ برتا تھا کبھی مخمل کو

اوپری تھی نہ سُنی بات کبھی
بدلے دیکھے تھے نہ دن رات کبھی

ہم بسر کرتے تھے جس عالم میں
وھاں سماں ایک تھا ہر موسم میں

رُخ ہوا کا نہ بدلتا تھا کبھی
موسم آکر نہ نکلتا تھا کبھی

ایک ہی فصل پہ تھا دار و مدار
وھاں خزاں جا کے نہ آتی تھی بہار

ایک سے رہتے تھے دن رات سدا
آسماں کو تھی نہ گردش اصلا

تھی سمجھ پیر و جواں کی یکساں
عقل تھی خرد و کلاں کی یکساں

رکھتے تھے ایک سبق ازبر یاد
مُبتدی منتہی شاگرد اُستاد

وھاں نہ تھی حدِّ بلوغِ صبیاں
پیر بالغ تھے نہ بالغ تھے جواں

نئی بولی کا وہاں صرف نہ تھا
تیس حرفوں کے سوا حرف نہ تھا

تھے خدا کے وہی ننانویں نام
اور لینا تھا وہاں نام حرام

اہلِ دولت کی نہ تھی عام عطا
ایک ہی سمت برستی تھی گھٹا

تھا نہ دینداروں کو غیروں سے لگاؤ
ایک ہی سمت تھا رحمت کا جھکاؤ

دعوے غیروں کے تھے سب بے صرفہ
فیصلے ہوتے تھے نت یک طرفہ

راستی کا تھا نہ غیروں پہ گمان
حق نہ دائر تھا فریقین میں وھاں

تھی عناصر میں وہاں آگ نہ باد
خلق سے اِک موئی مٹی تھی مُراد

حِس و حرکت کے کوئی پاس نہ تھا
وھاں کا حیوان بھی حساس نہ تھا

تھی درختوں کو نہ وھاں نشو و نما
چلنے پاتی تھی نہ گلشن میں ہوا

گل شگفتہ تھے نہ پودے شاداب
وھاں زمانہ پہ نہ آتا تھا شباب

وہی مرغوب تھی وہاں پوششِ تن
جس سے آدم نے چھپایا تھا بدن

تھے پسندیدہ اُسی شان کے گھر
کی تھی حوّا نے جہاں عمر بسر

اُسی انداز کے چلتے تھے جہاز
کشتیٔ نوحؑ کا تھا جو انداز

تھی اُسی نسخہ پہ موقوف شفا
جو تھا بُقراط نے ترکیب دیا

ٹوٹ سکتی تھی نہ وہاں رہِ قدیم
تھا اَمِٹ لکھ گئے جو اگلے حکیم

وہاں کسی طرح نہ ممکن تھا خلا
وہاں نہ پانی تھا مرکّب نہ ہوا

گھوڑے دوڑائے تھے اگلوں نے جہاں
وُہی جولانگہِ ہردم تھی وہاں

کی تھی جس جا قدما نے منزل
بڑھنے پاتے تھے نہ وہاں سے محمل

علم و فن تھے نئے سارے مردود
غیب کے وہاں تھے خزانے محدود

نئی لذت سے تھی ہر طبع نفور
نعمتیں حق کی وہاں تھیں محصور

سب کی گدّی پہ لگی تھیں آنکھیں
کچھ نہ آگے نظر آتا تھا اُنھیں

پیچھے گر دیکھتے تھے ریگستاں
سُوجھتا تھا اُنھیں وہ آبِ رواں

آگے ہوتا تھا اگر چشمۂ آب
وہ سراسر نظر آتا تھا سراب

روشنی رکھتی تھی اُنسے اَن بَن
جیسے خفّاش سے سُورج کی کرن

تھا لکیر اپنی پہ ایک ایک فقیر
دل پہ ہر نقش تھا پتھر کی لکیر

رسم و عادت نہ بدلتی تھی وہاں
برف جم کر نہ پگھلتی تھی وہاں

آگ وہاں بجھ کے سُلگتی کم تھی
اور سُلگتی تھی تو لگتی کم تھی

شان میں وہاں نہ سُنا تھا حق کی ۔ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَانٍ ۔ کبھی +

وضع میں تھا نہ تغیّر خُو میں ۔ جائے دل سنگ تھا ہر پہلو میں

سمجھا جاتا تھا وہ دل بے فرماں ۔ مہر جس دل پہ نہ ہوتی تھی وہاں

بات مشکل تھی دلوں سے جانی ۔ نقش تھے دل کے خطِ پیشانی

غیر کی بات خطا اپنی صواب ۔ سب سوالوں کا تھا وہاں ایک جواب

چڑھ کے گر بحث کو جاتے تھے کہیں ۔ فتح کا پہلے سے ہوتا تھا یقیں

تھی وہاں حق کی یہی ڈفینیشن ۔ مُونھ سے جو اپنے نکل جائے سخن

اُسی عالم میں پلے تھے ہم بھی ۔ اُسی ساون کے تھے اندھے ہم بھی

---

جانتے تھے کہ جہاں ہیں ہم پر ۔ ختم ہیں سارے کمالاتِ بشر

حق نے جو ہم پہ کئے ہیں احساں ۔ اُن سے محروم ہے نوعِ انساں

سب سے ہر بات میں ہم ہیں افضل ۔ اب نہیں کوئی ترقی کا محل

اپنے حِصّے میں ہے ساری تہذیب ۔ خانہ پرور ہے ہماری تہذیب

جو قدیم اپنا چلن ہے اور چال ۔ خُردہ گیری کی نہیں اسمیں مجال

ہے بری عیب سے خوراک اپنی ۔ پاک دھبّے سے ہے پوشاک اپنی

رسم اپنی نہیں بیجا کوئی ۔ طور اپنا نہیں بھونڈا کوئی

آدمیت کے ہمیں ہیں مصداق ۔ ہم سے سیکھے کوئی حُسنِ اخلاق

سب سے عالی ہیں خیالات اپنے ۔ سب مُسلّم ہیں کمالات اپنے

ہم چلے جاتے ہیں جس رستے پر
وھاں نہ کھٹکا ہے کہیں کا نہ خطر

تھے سمائے ہوئے جو دل میں خیال
تھا تصوّر بھی خلاف اُنکے محال

جس کو اِکبار بُرا جان لیا
عمر بھر پھر اُسے اچّھا نہ کہا

ٹوٹتی تھی نہ کبھی اپنی دلیل
وہی دعوےٰ تھا وہی اپنی دلیل

وہم و شک کی کوئی صورت ہی نہ تھی
ہم کو تحقیق کی حاجت ہی نہ تھی

جو بدلتی تھی نہ بدلی تھی کبھی
رائے ایسی تھی پسند ایسی تھی

ہم سمجھتے تھے نہ سمجھانے سے
اور اُلجھ جاتے تھے سُلجھانے سے

سچ وہی تھا جسے سچ جان لیا
جُھوٹ تھا جُھوٹ جسے مان لیا

حق و باطل کی یہی تھی میزان
جُھوٹ اور سچ کی یہی تھی پہچان

ذاتِ باری کو نہیں جیسے زوال
رائے اپنی بھی بدلنی تھی محال

کوہ ہٹ جائے تو یہ تھا ممکن
ہم نہ ہٹتے تھے جگہ سے لیکن

حُسنِ ظن تھا یہ سمجھ پر اپنی
غلطی کا تھا گماں تک نہ کبھی

تھے لڑکپن کے خیالات تمام
دل میں اُترے ہوئے بشکلِ الہام

دیکھتے سنتے تھے جو اسکے خلاف
نظر آتا تھا وہ سب لاف و گزاف

تھی نئی بات سے یہاں تک نفرت
ہوتی تھی سننے سے پہلے وحشت

بُو نئی شے کی جو پا لیتے تھے۔
ناک بن دیکھے چڑھا لیتے تھے

عقل کی تھیں نہ صلاحیں مقبُول
تھی وہ سرکار میں اپنی معزول

فکر پر زور نہ ڈالا تھا کبھی — ہوش ہم نے نہ سنبھالا تھا کبھی

جو کہ تھا اپنی کتابوں میں لکھا — کوئی حرف اُسمیں جُز الہام نہ تھا

جو کہانی تھی بزرگوں نے کہی — تھا وُہی فلسفہ اور علم وُہی

تھا لباسوں میں لباس اپنا لباس — اور سب سوختنی بے وسواس

تھی زباں اپنی زبانِ پاکاں — ماسوا اہلِ جہنّم کی زبان

جلوۂ دہر کا باقی تھا نہ ہوش — تھے نشہ میں یہ خودی کے مدہوش

کان میں پڑتی تھی جب بات نئی — غیر ہو جاتی تھی حالت دِل کی

خرقِ عادت بھی اگر دیکھتے تھے — آنکھ اُٹھا کر نہ اُدھر دیکھتے تھے

نئی آواز سے چونک اُٹھتے تھے — اُو پری شکل پہ بھونک اُٹھتے تھے

ساری دنیا سے نرالا تھا مذاق — ہم کو تھا زہر بھی اپنا تریاق

اپنی حُجّت کو وُہی جانتے تھے — بات ہر پھر کے وُہی مانتے تھے

تھا نہ قصدِ حق و باطل مُطلق — جو پڑھا تھا وہی ازبر تھا سبق

خصم سے بحث اگر کرتے تھے — حق سے ہم قطع نظر کرتے تھے

کاٹ دی خصم نے جو بات کہی — بحث و تکرار کی غایت تھی یہی

خصم کی بات کو کرنا تسلیم۔ — اپنے نزدیک ہزیمت تھی عظیم

حق کا خطرہ جو کبھی آتا تھا — نفس آپ اپنے کو جھٹلاتا تھا

دشمنی کے یہی معنی تھے کہ جو — ہم کہیں بات وہ تسلیم نہو

ہم اندھیرے کو اگر کہتے تھے نور — دوستوں کو یہی کہنا تھا ضرور

گر خلاف اپنے کوئی بول اُٹھا — اُس سے بڑھ کر کوئی بدخواہ نہ تھا

ذکر غیروں کا نہ تھا بے نفریں — کوئی مردود تھا اور کوئی لعیں

غیر کے واسطے تھی نارِ سعیر — باغِ فردوس تھا اپنی جاگیر

اور تھے حرص و ہوا کے بندے — ہم تھے مخصوص خدا کے بندے

بخششیں ختم تھیں ساری ہم پر — وقف تھی رحمتِ باری ہم پر

نیک اعمال تھے غیروں کے تباہ — اور مغفور تھے سب اپنے گناہ

عین تحقیق تھی اپنی تقلید — شرک اپنا تھا سراسر توحید

تھا بدی کا نہ گنہ کا کچھ ڈر — پاس ایسی کوئی رکھتے تھے سپر

سب دعاگو تھے ہمارے ملکوت — تھے ہمیں آدم و حوّا کے سپوت

حوضِ کوثر پہ تھا قبضہ اپنا — سلسبیل اپنی تھی طوبیٰ اپنا

اپنی ظلمت تھی سراسر تنویر — اپنے اندھوں کو بھی کہتے تھے بصیر

رکھتے جنّت میں نہ تھے ہم ساجھی — غیر ناری تھے سب اور ہم ناجی

تھے قضا اور قدر کے مالک — ہم تھے اللہ کے گھر کے مالک

---

عصبیّت میں رہے جب تک چُور — کھینچتے یوں ہی رہے آپ کو دُور

نظر آتا تھا نہ کچھ پست و بلند — تھے ہم اِک کُلبۂ تاریک میں بند

دی جب انصاف نے دستک آکر — حُجرۂ تنگ سے نِکلے باہر

جلوۂ علم و یقیں کو دیکھا — آسماں اور زمیں کو دیکھا

رُخِ حقیقت نے دکھایا ہر سُو — چاندنا سا نظر آیا ہر سُو

کی تعصب سے جو ہیں قطع نظر — ہوا ایک اور ہی عالم میں گذر

علم پر تھا نہ جہاں کوئی حجاب — دھوکا پانی کا نہ دیتا تھا سراب

جُھوٹ سے سچ نِتھر آتا تھا الگ — دُودھ پانی نظر آتا تھا الگ

نکتہ چیں یار تھے وہاں یاروں کے — قدرداں غیر تھے اغیاروں کے

دُور بیگانہ نہ تھا خویش سے وہاں — خویش اول تھا نہ درویش سے وہاں

عیب سب کہتے تھے اپنے خوش خوش — دوغ وہاں اپنی بھی ہوتی تھی تُرش

تھی نجس کوئی نہ انساں کی زباں — گاڈ بھی کہتے تھے اللہ کو وہاں

حق کی پہچان جُز اِخلاص نہ تھی — حق کی پوشش کوئی وہاں خاص نہ تھی

ساتھ اغیار کے کھاتے تھے اگر — کبھی اِیمان کا نہ ہوتا تھا ضرر

صُلحا لمپ جلاتے تھے وہاں — اتقیا میز پہ کھاتے تھے وہاں

نہ سمجھتا تھا وہاں کوئی بشر — آپ کو نوعِ بشر سے بہتر

بھائی اِنساں تھے سب انسانوں کے — سِیت ہندو تھے مسلمانوں کے

ایک معدن کے تھے سب لعل و گہر — ایک ڈالی کے تھے سب برگ و ثمر

اشعری، معتزلی۔ لامذہب۔ — ایک ماں باپ کی اولاد تھے سب

اپنی ہر رائے پہ کرنا اصرار — کفر وہاں بس یہی پایا تھا قرار
ہٹ سے باز آتے نہ تھے جو زنہار — تھے وہ بوجہل کی اُمّت میں شمار
پاؤں وہاں جنکے پھسل جاتے تھے — خود پھسل کر وہ سنبھل جاتے تھے
ٹیڑھ وہاں دل کی نکل سکتی تھی — رائے اپنی بھی بدل سکتی تھی
دیکھ حُجّت کو قوی پیر و جواں — بند ہو جاتے تھے بچّوں سے وہاں
حق کی آواز جہاں آتی تھی — مت کروروں کی بدل جاتی تھی
پاک عقلیں تھیں خطا سے نہ علوم — جُز نبی کوئی نہ تھا وہاں معصوم
غور ہر بات میں کی جاتی تھی — مشورت عقل سے لی جاتی تھی
تھی وہاں عقل مُعطّل نہ حواس — سب قُوے کام میں تھے بے وسواس
آنکھ رہ سکتی نہ تھی بن دیکھے — کان سننے سے نہ باز آتے تھے
سُوجھتی تھی جو انوکھی کوئی چیز — جا پہنچتی تھی اُسے وہاں چشمِ تمیز
سُنتے تھے بات نرالی جدم — کستے تھے اُسکو محک پر پیہم
کڑوے اور میٹھے کو چکھ لیتے تھے — کھرے کھوٹے کو پرکھ لیتے تھے
پھول ہر خار سے چُن لیتے تھے — بھوگ پنچوں کے بھی سُن لیتے تھے
عادتیں سب کی بدلتی تھیں سدا — ایک اللہ کی عادت کے سوا
عیب جس رسم میں پا لیتے تھے — دل وہیں اُس سے ہٹا لیتے تھے
اُجلی پوشاک جو مِل جاتی تھی — میلے کپڑوں سے شرم آتی تھی

دیکھ لی جس نے کہ شمع کا نور
تھا وہ چیکٹ بھری دیوٹ سے نفور

ہاتھ آجاتا تھا جب مال نیا
پھینک سب دیتے تھے عطار دوا

اگر کے ہو جاتے تھے گھر جن کے کھنڈر
گھر کی وا جب تھی مرمت اُن پر

رنت نئی ریت نکلتی تھی وہاں
رُت سماں روز بدلتی تھی وہاں

قافلے چلتے تھے دن رات تمام
کسی منزل پہ نہ کرتے تھے مقام

قبلہ تھا علم الٰہی اُن کا ۔
تھا سفر نامتناہی اُن کا

تشنۂ علم تھے وھاں سب ایسے
پیاسے پانی کے ہوں طالب جیسے

نہ مجسطی پہ قناعت تھی اُنہیں
نہ اشارات کفایت تھی اُنہیں

عرشِ تحقیق تھا استھان اُنکا
مصر تیرتھ تھا نہ یوناں اُن کا

دیکھا جب عالمِ انصاف کا رنگ
ہم کو خود آنے لگا آپ سے ننگ

خوبیاں اپنی تھیں جو ذہن نشیں
اُن پہ ہم کرنے لگے خود نفریں

عیب سب اپنے نظر آنے لگے
آپ ہم اپنے سے شرمانے لگے

ہوئی وہ بزمِ خیالی برہم
تھا طلسمات کا گویا عالم

جسکو سمجھے تھے غلط ہم دریا
اِک وہ ناچیز سا قطرہ نکلا

تھا کیا جسکو یقیں چشمۂ آب
وہ نمایش تھی حقیقت میں سراب

قصر و ایواں کا گماں تھا جن پر
نکلے آخر وہ گڑھے اور کھنڈر

تھا سبک دانۂ خردل سے سوا
کوہ الوند جسے سمجھا تھا

جب ہر اک نوع کا ساماں دیکھا ہم نے وھاں آپ کو عریاں دیکھا
نکلے سب ہیچ خیالات اپنے ٹھیرے سب پوچ کمالات اپنے
آپ کو اونٹ سمجھتا تھا بڑا + نکلا جب تک کسی کھائی سے نہ تھا
چوٹیاں آئیں جو پربت کی نظر + پھر اُٹھایا نہ کبھی اونٹ نے سر
بھنگا جب تک رہا گولر میں نہاں تھا وہی اُسکے تصوّر میں جہاں
پر وہ گولر سے جو باہر آیا۔ اپنی ہستی سے بہت شرمایا
پردہ جب تک رہا آنکھوں پہ پڑا حُسن پر اپنے گماں تھے کیا کیا
مونھ جب آئینہ میں دیکھا جا کر ہم کو اک شکلِ مُہیب آئی نظر
ہوا حیرت سے دگرگوں احوال ڈر گئے دیکھ کے اپنے خط و خال
دیکھا جب آپ کو بالکل معیوب چھپ گئے غیروں کی آنکھوں سے عیوب
یک قلم ہو گئی نخوت کافور بنگیا رشک ہمارا وہ غرور
ناخنِ فکر نے کی دل میں خراش عیب جویوں کی لگے کرنے تلاش
جن کے طعنوں کی تھی ہم پر بھرمار اُنکے ہم دل سے ہوئے شکر گزار
ہم نے جانا کہ یہی ہیں دل سوز چل رہے تیر ہیں جن کے دل دوز
انکا غصہ ہے سراسر رحمت زہر میں انکے بھرا ہے امرت
انھیں بندوں کے ہیں ایماں سچے یہی کافر ہیں مسلماں سچے
قائمِ انصاف کا جب ہو گا نشاں مانے جائینگے انھیں کے احساں

بے خبر کب کے پڑے سوتے تھے — اِن کی آواز سے ہم چونک اُٹھے +

اِنکے طعنوں نے جگایا ہم کو — زہر نے اِنکے جِلایا ہم کو +

یار و اغیار کے عیب اور ہنر — آشکارا ہوئے ایک اِک ہم پر

حق کے جلوے نظر آئے ہر جا — اہلِ باطل میں بھی اِک پائی ادا

ملا ہر راہ میں باطل کا سُراغ — اہلِ حق کو بھی نہ پایا بے داغ

اہلِ تقویٰ کی ریائیں دیکھیں — اہلِ حکمت کی خطائیں دیکھیں

زشتیاں دیکھیں نکوکاروں میں — خوبیاں پائیں گنہگاروں میں

کلب کی پاک سرشتی دیکھی — پائے طاؤس کی زشتی دیکھی -

عیب بھی دیکھے ہنر بھی دیکھے — خار دیکھے تو ثمر بھی دیکھے -

ہنر اغیار میں پائے اکثر — عیب اپنے نظر آئے اکثر

دفترِ علم کو ابتر پایا + — علم کو جہل سے بدتر پایا +

مجلسیں غیبت و بہتان سے پُر — صحبتیں جھوٹ سے طوفان سے پُر

منقطع بھائی کی بھائی سے اُمید — اپنا بیگانہ لہو سب کے سفید

پاک بندوں کی زباں پر دشنام — نہ ثقات اِس سے بری اور نہ کرام

فقرا مکر و ریا کے مُبتلے — اغنیا حرص و ہوا کے مُبتلے

شیخ عیّار تو زاہد پُر فن — مولوی عقل کے سارے دشمن

پیاز کی طرح نرے پوست ہی پوست — قوم کے دوست مگر ناداں دوست

حالت القصّہ جو دیکھی اپنی
سارے آوے کو ٹٹولا جاکر
پایا اِک دین کا محکم قانون
دیکھی آنکھوں سے جو یہ حالتِ زار
گو نہ تھا تلخ نوائی کا محل

کوئی کل پائی نہ سیدھی اپنی
کوئی برتن نہ سڈول آیا نظر
وہ بھی یاروں کی بدولت مطعون
جی بھر آیا نہ رہا صبر و قرار
آہیں دو چار گئیں دل سے نکل

تلخ گذرے جو کسی کو یہ صدا
حق میں تلخی کے سوا اَور ہے کیا

# کلمۃ الحق

مرتبۂ ۱۸۸۳ء

اے راست گوئی کیا قہر ہے تو؟
شے کوئی تجھ سے کڑوی نہ ہوگی
ہے ناگوار ہی پہچان تیری
یاروں کو کرتی اغیار تو ہے
رشتے ہزاروں تو نے تڑائے
سُقراط کو زہر تو نے دِلایا

اے حق کی تلخی کیا زہر ہے تو؟
حنظل میں ایسی تلخی نہ ہوگی
الحق مُرٌّ ہے شان تیری
چلواتی گھر گھر تلوار تو ہے
باپوں سے بیٹے تو نے چھڑائے
شبّیر کو قتل تو نے کرایا

بے جرم مسموم تو نے کرائے — سولی پہ معصوم تو نے چڑھائے

رخنے عرب میں تو نے نکالے — بدر و احد میں رن تو نے ڈالے

موسیٰ کو مدین تو نے بھگایا — احمدؐ سے مکہ تو نے چھڑایا

تو نے صلے میں بخشے ہیں اکثر — سولی کے اور نگ کانٹوں کے افسر

مظلوم کتنے تیرے سہارے — ایلی ہی ایلی کہتے سدھارے

خونخوار لشکر ہیں ساتھ تیرے — رنگیں لہو میں ہیں ہاتھ تیرے

تیرے جلو میں رسوائیاں ہیں — سنگت میں تیری تنہائیاں ہیں

تدبیر ہے تو ناکامیوں کی — تقریب ہے تو بدنامیوں کی

تو آشتی کی رہتی ہے دشمن — تو مصلحت سے رکھتی ہے اَن بن

قطع و برش ہے تاثیر تیری — رہتی ہے ننگی شمشیر تیری

ہوتی ہے جس جا تو جلوہ گستر — دفتر بہت سے ہوتے ہیں ابتر

پڑتی ہے ہل چل ہر مرحلے میں — آتی ہے دنیا اک زلزلے میں +

حق معبدوں میں ہوتا ہے داخل — ہوتے ہیں جھوٹے معبود باطل

اٹھتا ہے عملہ لات اور صفا کا — ہوتا ہے گھر پر قبضہ خدا کا

عبرانیوں کا اڑتا ہے پرچم — صف قبطیوں کی ہوتی ہے برہم

ہوتے ہیں اغیار احمدؐ کے ساتھی — بوجہل کے سب چھٹتے ہیں ناتی

اے راست گوئی اے تیغ بُرّاں — تیرا مخالف کیوں ہو نہ دوراں
سب وحشت آگیں مضموں ہیں تیرے — نت مصلحت پر شب خوں ہیں تیرے
گُن تیرے جن پر ظاہر ہوئے ہیں — وہ تیری دُھن میں آخر ہوئے ہیں
امڈا جہاں سے سیلاب تیرا — پھر وہاں نہ کشتی ٹھہری نہ بیڑا
اُٹھتی ہیں دل سے جب تیری موجیں — ہوتی ہیں نازل وہاں حق کی فوجیں
دیتی ہے ہمّت اُنکو سہارے — کرتی ہے اُمید پنہاں اشارے
عزم اُنکی مشکل کرتا ہے آساں — دل اُنسے لاکھوں کرتا ہے پیماں
چھا جائے ظلمت گو بحر و بر میں — ہے روز روشن اُنکی نظر میں
زور اُنپہ تیرے ہیں آشکارا — مٹھّی میں اُنکی عالم ہے سارا
عظمت جہاں ہے تیری سمائی — پربت وہاں ہے نظروں میں رائی
شاہوں سے گردن جھکتی نہیں وہاں — طوفاں میں کشتی رُکتی نہیں وہاں

---

اے راست گوئی تو ہے وہ افسوں — منکر بھی دل سے ہیں جس پہ مفتوں
تلخی میں تیری طرفہ مزا ہے — ہر دل میں پھبتی تیری ادا ہے
تو نے جہاں دی آواز جا کر — لاکھوں سر اُٹھے تیری صدا پر
ہوتی ہے دھیمی پرواز تیری — بڑھتی ہے کم کم آواز تیری
پھر دوڑتی ہے یُوں مرد و زن میں — جس طرح آتش لگتی ہے بن میں

بنتے ہیں دشمن انصار تیرے — ہوتے ہیں قیدی احرار تیرے
پطرس نے چھوڑے یار آشنا سب — یرودن پہ دیکھی تیری ادا جب
ڈالا عمر پر جب تو نے سایہ — ارقم کے گھر میں آ سر جھکایا
آہٹ سے تیری کرتے ہیں جو رم — ہیں گد گداتے دل انکے ہر دم
جوں جوں وہ زد سے کرتے ہیں دوری — ضرب آشیہ تیری پڑتی ہے پوری
جاتا ہے آہو جب چوٹ کھا کر — گرتا ہے آخر کچھ دور جا کر
تجھ سے بھی جو ہیں وحشی بدکتے — پھر پھر کے تجھ کو جاتے ہیں تکتے
گو حق کی تلخی پائے ہوئے ہیں — پر چوٹ دل پر کھائے ہوئے ہیں
بھاگے ہیں کھا کر زخم نہاں وہ — جائیں گے بچ کر تجھ سے کہاں وہ
دل دوز ہیں سب تیری ادائیں — کڑوی ہیں تیری ساری دوائیں
زہر ہلاہل برسوں پیئیں جب — بیمار تیرے پائیں شفا تب
دیتی ہے اوّل تو زخم کاری — مرہم کی آخر آتی ہے باری
کل ہے مسرّت ہے آج غم تو — دیتی ہے اجرت کہتی ہے سہم تو
ہوتی ہے سچ سے جب سب کو نفرت — تو جھوٹ پر وھاں کرتی ہے لعنت
جس جا تعصب ہے عین ایماں — انصاف کا غل کرتی ہے تو وھاں
رسم سلف پر مرتے جہاں ہیں — رسموں پہ تیرے حملے وہاں ہیں
تقلید جس جا ہے طوق گردن — تقلیدیوں سے ہے تیری اَن بَن

کرتی ہے وھاں تو واعظ کو رسوا
وھاں مفتیوں پر ہیں ترسے دھاوے
پجتی ہیں قبریں جب اولیا کی
جس ملک میں ہے جاری غلامی
غل بھیڑیوں کا پڑنا جہاں ہے
زہر اس عسل کو تو ہے بتاتی
اس نیش میں تو کہتی شفا ہے
ہندی میں تیری تازی کی بو ہے
جس سرزمیں میں پانی ہے عنقا
ہر سو جہاں ہے طغیان باراں
سانپوں کا خطرہ باقی جہاں ہے
طوفاں کی آہٹ پہلے سے پاکر
ڈاکے کی آمد ڈاکے سے پہلے
بلبل ہے گل پر جب چہچہاتی
پانی ہے گھر میں جب کچھ دھواں تو
جب دیکھتی ہے قومیں بگڑتی
کرتی ہے ظاہر ان کی خطائیں

ہے وحی منزل قول اسکا جس جا
ہیں مثل قرآں جس جا فتاوے
تو ہے دہائی دیتی خدا کی
ہوتی ہے تو وھاں بردوں کی حامی
تو بکریوں کی وھاں پاسباں ہے
جس میں حلاوت ہے سب کو آتی
نیش اجل کا جس میں مزا ہے
مشرق میں کہتی مغرب کی تو ہے
تو چھیڑتی ہے وھاں ذکر دریا
شور العطش کا کرتی ہے تو وھاں
اندھوں کے آگے کرتی فغاں ہے
بیڑوں میں چرچا کرتی ہے جاکر
کہتی ہے جاکر تو کارواں سے
اس دم خزاں سے تو ہے ڈراتی
آگ آگ کا غل کرتی ہے وھاں تو
ہے آگ میں تو قوموں کی پڑتی
دیتی ہے انکو پیچیدہ رائیں

گہہ منعموں پر تو ہے برستی | گہہ جھاڑتی ہے مفلس کی مستی

دیتی ہے طعنے بے غیرتوں کو + | کرتی ہے رسوا بے عزتوں کو +

للکارتی ہے تو کاہلوں کو | پھٹکارتی ہے تو جاہلوں کو

جھڑکی ہے تیری عادت میں داخل | ترشی ہے تیری طینت میں داخل

بگڑے ہیں تجھ سے دل بے نہایت | لاکھوں نے کی ہے تیری شکایت

یہاں نام تیرا جس نے لیا ہے | عالم کو اپنا دشمن کیا ہے +

احکام تیرے ٹلتے رہے ہیں | تیرے نوشتے جلتے رہے ہیں

پہنچایا جس نے پیغام تیرا | جمہور میں وہ بدنام ٹھہرا

کتنوں نے جانا ساحر نبیؐ کو | کتنوں نے مانا کافر علیؑ کو

طوفاں اٹھائے اہل ہدیٰ پر | بہتان باندھے زین العبا پر

نعماں کو دی بدعت سے نسبت | کی شافعی پر برپا قیامت

مالک پہ لائے آفت جفا جو | یہاں تک کہ اکھڑا مفصل سے بازو

کی ابن حنبل کی یہ مدارا | چہرہ پہ تھوکا کوڑوں سے مارا

نکلے ائمہ اکثر وطن سے | خالی ہوا یثرب ابن حسن سے

کتنوں کی باندھیں ذلت سے مشکیں | کتنوں کے رسی ڈالی گلے میں

مرتد بتایا اہل یقیں کو | ٹھہرایا زندیق ارباب دیں کو

اے کلمۂ حق تیری بدولت — مُردوں پہ گذری کیا کیا مُصیبت

ٹھیرے جہاں میں بیگانے سب سے — تجھ پر ہوئے وہ دیوانے جب سے

دنیا نے اُن پر گو ظلم توڑا — دامن اُنھوں نے تیرا نہ چھوڑا

ہے تلخ و شیریں ہر بات تیری — سننے میں کڑوی کہنے میں میٹھی

کانوں کو تو ہے گو ناگوارا — مونھ سے نکلنا تیرا ہے پیارا

جو حرفِ حق سے بھاگے بگڑ کر — حق اُنکو لایا گردن پکڑ کر

حق کے سب آخر طالب ہوئے ہیں — رِشت حق کے دعوے غالب ہوئے ہیں

ہوتا نہ ہرگز جگ میں اُجالا — حق کا نہوتا گر بول بالا

---

اے راست گوئی اے ابرِ رحمت — ہے اِس چمن میں سب تیری برکت

گر تو نہوتی یہاں سایہ افگن — برباد ہوتا کب کا یہ گلشن

عالم ہے سرسبز تیرے قدم سے — آباد یہ گھر ہے تیرے دم سے

باغِ جہاں کو چھانٹا ہے تو نے — اکثر خزاں کو ڈانٹا ہے تُو نے

تو بیکسوں کی یاور رہی ہے — تو گم رہوں کی رہبر رہی ہے

جن بستیوں میں تو چھائی + — کھیتی انھیں کی یہاں لہلہائی

بند اپنی جس جا تو نے زباں کی — نکبت نے منزل آکر وہاں کی

رہبر نہ ہوتا گر نور تیرا — یُوناں میں ہوتا ہر سو اندھیرا

گر مصر کی تو کھوتی نہ خامی — مصری نہ ہوتے عالم میں نامی
سر پا میں حق کا جھنڈا نہ گڑتا — سایہ اگر وھاں تیرا نہ پڑتا
جنبش نہ ہوتی گر تیرے لب کو — قبلہ نہ کرتے خاکِ عرب کو
ہوتے رہے ہیں سب ملک و ملت — سرسبز تجھ سے نوبت بہ نوبت
مشرق میں جب تھی تیری حکومت — چھائی ہوئی تھی مغرب میں ظلمت
جب دور تیرا مغرب میں آیا — مغرب کو تو نے مشرق بنایا
کھلتے رہے ہیں گل تیرے ہر سو — مہکی ہے اکثر یہاں تیری خوشبو
گو تجھ میں تلخی حد سے سوا ہے — پر تیری دارو صحت فزا ہے
ہر بول تیرا جوشِ غضب میں — ہے حق کی آواز راہِ طلب میں
گو علم کی تو ہے زندگانی — پر جہل تیرا دشمن ہے جانی
جاہل ہمیشہ تجھ سے لڑے ہیں — ناداں ہزاروں تجھ سے اڑے ہیں
لاکھوں بلائیں آئی ہیں تجھ پر — اکثر گھٹائیں چھائی ہیں تجھ پر
ملکوں نے تجھ پر حملے کئے ہیں — قوموں نے تجھ سے بدلے لئے ہیں

---

اے کلمۂ حق اے سرِ یزداں — جس وقت ہو تو پردہ سے عریاں
ہوں تیرے جس دم انصار تھوڑے — دشمن بہت ہوں اور یار تھوڑے
عالم ہو تیرا جب ناشناسا — حالی کو رکھیو اپنا شناسا

# مُناظرۂ واعظ و شاعر

## مرتبہ ۱۸۸۳ء

کل جو مَیں نے بسترِ راحت پہ جاکر دم لیا　　دِل کو اِک وقفہ غمِ دنیا سے فرصت کا مِلا

کی تصوّر نے وہیں اِک بزمِ رنگیں آشکار　　مجلسِ اربابِ معنی جسکو کہتا ہے بجا

گرم تھا وھاں ہر طرف ہنگامہ بحث و نظر　　سُرخرو گلگونہ حُجّت سے تھا ہر مُدّعا

شمعِ اِستدلال سے روشن تھا فانوسِ بیاں　　چارسُو ہنگامہ آرا تھی لِم و لا کی صدا

تھے فراہم جسقدر اُس بزم میں اہلِ کمال　　تھا شرف کا اپنے اپنے فن کے سب کو اِدّعا

مولوی کہتے تھے غیر از علمِ دیں سب ہیچ ہے　　فلسفی کہتا تھا ہر فن کی ہے حکمت پر بنا

صُوفی صافی اِدھر کچھ کہہ رہا تھا زیرِ لب　　واعظِ مُعجب اُدھر کچھ بک رہا تھا بر ملا

خود فروشی کا غرض تھا ہر طرف بازار گرم　　ساز گوناگوں تھے لیکن ایک تھی سب کی صدا

شاعرِ مغرور بھی اِک سمت خنداں زیرِ لب　　سُن رہا تھا لافِ اہلِ فضل اور خاموش تھا

جاکے پہنچا جب وہاں تک دَورِ صہبائے سخن　　دفعۃً مجلس سے اُٹھا اور یہ بولا خود ستا

دعوئے فضل و بلاغت اُسکو زیبا ہے یہاں　　جو کوئی تلمیذِ رحمٰن تم میں ہو میرے سوا

ہے تصرّف میں ہمارے عرصۂ دشتِ خیال　　کچھ نہیں معلوم جسکی اِبتدا اور انتہا

رہروی میں ہم کو چشم و گوش پر تکیہ نہیں　　ہیں ہمارے بال و پر اندیشۂ و فکرِ رسا

صاف ہوتا ہے بیاں اپنا خس و خاشاک سے
پاک ہو جیسے وساوس سے دلِ اہلِ صفا

اتفاقاً گر کسی کی مدح پر آجائیں ہم
خاطرِ دشمن میں اُسکا نقشِ اُلفت دیں بٹھا

خاک کو چرخِ بریں پر دیں اگر ترجیح ہم
مانند ہو ذرّے کے آگے مہرِ تاباں کی ضیا

وصفِ خوباں ہم سے گر سُن پائے سالک ایکبار
ہو نہ ہرگز پنجۂ عشقِ مجازی سے رہا

گر کریں ہم گُلرخوں کی بیوفائی کا بیاں
ہو نہ بُلبل پھر چمن میں روکے گل پر مبتلا

کھینچدیں گر خاطرِ مشتاق کی تصویرِ شوق
قیس کی کرنی پڑے لیلیٰ کو جا کر التجا

ہیں ہماری مدح کے پیر و جواں اُمیدوار
اور ہماری ہجو سے تھرّاتے ہیں شاہ و گدا

گرمئ بزمِ حریفاں ہے ہماری ذات سے
بادۂ گلگوں کا ہے ہر بات میں اپنی مزا

فکر اپنی لغزشِ اہلِ نظر سے پاک ہے
ہم جہاں چلتے ہیں وُہاں مسدود ہے راہِ خطا

کچھ نہیں اپنا ضرر گر ہو روایت میں خلل
جھوٹ سے ہوتی ہے یہاں رونقِ عبارت کے سوا

دی نہیں گویا شریعت نے ہمیں تکلیف کچھ
جو نہیں جائز کسی کو ہے وہ سب ہمکو روا

خود ستائی جو کسی کو جز خدا پھبتی نہیں
آکے ہو جاتی ہے شاعر کی زباں پر خوشنما

فحش اور دشنام کو ملتا ہے یہاں رنگِ قبول
گالیاں دے دیکے ہم سنتے ہیں اکثر مرحبا

---

جب یہ بالاخوانیاں شاعر کی واعظ نے سُنیں
مُسکرایا اور یہ فرمایا کہ اے ہذیاں سرا

شیوہ تیرا بو الفضولی اور یہ لاف و گزاف
پیشہ تیرا یاد خوانی اور اتنا ادّعا

اُمّتِ برحق کے عالم جو ہیں از روئے خبر
وارثِ علمِ نبی قائم مقامِ انبیا

کیا ادب جاتا رہا انکا بھی تجکو اے سفیہ
گو نہیں گنتی میں اہلِ علم کی یہ خاکسار
ہر سخن کا اِک جدا ہوتا ہے موقع اور محل
علم اور حکمت کے ہوں جس بزم میں چرچے کھلے
شِعر مُستحسن اگر ہوتا۔ تو قرآں میں اُسے
شان میں بِالْعِلْمِ یُزْرِی[1] جسکی آیا ہے صریح
چاہیئے انفاسِ اہلُ الذِکر[2] سے ہو مُستفید
خود ہو تم بے علم اور صحبت سے اہلِ علم کی
ہے یہی باعث کہ بک اُٹھتے ہو تم بے اختیار
اِس زبانِ یاوہ گو کو اپنی کیا سمجھا ہے تو
بے حقیقت ہیں ترے سارے خیالاتِ بلند
ہے جہاں خامہ کو تیرے خدمتِ مشّاطگی
بال سے باریک تر معشوق کی تیری کمر
شش جہت میں تو کرے برپا قیامت بار بار
تیغ چوبیں کی ہو گر بُرّش بیاں کرنی تجھے
ہو جہاں لکھنی تجھے اسپ گلی کی جست و خیز
بر سرِ مجلس ہے تو جو اِس طرح بنکار تا
پر سُنے جاتے نہیں یہ تیرے دعوے ناروا
ہزل و سُخریّت کجا۔ بزمِ خردمنداں کجا
کِس نے دی ہے تجکو وہاں اِس ہرزہ گوئی کی رضا
کیوں خلافِ شانِ ختم المرسلیں کہتا خدا
فخر ہے اُس شعر پر تجھ کو یہ اے شرّ الوریٰ
ہو نہ جسکو علم سُنّت اور کتاب اللہ کا
بھاگتے ہو جیسے شیطاں ہے اذاں سے بھاگتا
جو تمہارے مونھ میں آتا ہے سزا اور ناسزا
جرم گو چھوٹا ہے اسکا جرم ہے لیکن بڑا
ہجو ہے تو بے اثر اور مدح ہے تو بے صفا
مُورت اِک پتھر کی ہے وہاں حور جنّت سے سوا
رات سے تاریک تر ہجرِ صنم میں دن ترا
یار سے اپنے اگر دم بھر کو ہو عاشق جُدا
ہے تنزّل۔ گر اسے ٹھہرائیے تو تیغ تھنا
اِک ترارے میں اُسے پہنچائیے تو فوق السّما

[1] عربی میں مقولہ مشہور ہے کہ الشِّعرُ یُزْرِی بِالعِلم یعنی شاعری عیب لگاتی ہے علم کو ۱۲ [2] اہل الذکر سے مُراد علماء دین ہیں

تو ہوا مدح دنیا میں جسکی سرگرم غلو
اور الٹا خوبیوں پر اُسکی پردہ پڑ گیا

پرلے درجہ کا تنزل ہے اگر ٹھہرائے تو
جم کو اُسکے در کا درباں اور بہمن کو گدا

بہمن و جمشید یہاں بیچارے کس گنتی میں ہیں
تنگ ہیں ہاتھوں سے تیرے انبیا اور اولیا

لکھے تو اِک گربۂ مسکیں کو سارا منزلت
اور کہے اک لعبتِ سنگیں کو تو یوسف لقا

فی المثل گر ہو ترا ممدوح اک برگِ گیاہ
اُسمیں ثابت کرکے چھوڑے تو صفاتِ کبریا

بادخوانوں سے سوا ہو تجھ کو فکرِ تہنیت
خواب میں دشمن پائے تو گر کوسِ شادی کی صدا

ہند میں غل ڈالدے تو نالہا شوق سے
چین میں شہرہ ہو گر اک شاہدِ نوخیز کا

شعر کو الہام سمجھے ۔ گر نصیبوں سے کبھی
کان میں پڑ جائے تیرا ایک جھوٹی واہ وا

مذہبِ شاعر میں جس کا دینِ باطل نام ہے
راستی اور صدق سے بڑھکر نہیں کوئی خطا

سربسر اقوال تیرے کچھ ہیں اور افعال کچھ
ہے زبانِ گوہر افشاں پر نعم اور دل میں لا

شان میں آیا ہے جنکی قول مالا یفعلون[1]
چشمِ بد دور آپکے ہادی ہیں وہ اور مقتدا

ایسے دروازے بہت کم پائینگے آفاق میں
جن پہ صبح و شام تونے دی نہو جا کر صدا

ہے زبانِ خامہ تیری تابعِ فرمانِ حرص
کام تجھ کو کچھ نہیں جز مدح و قدحِ اغنیا

مدح میں حد سے زیادہ جنکی کرتا ہے غلو
گالیاں دیتا ہے تو اکثر انھیں کو برملا

جیسے دروازوں سے پھرتے ہیں دعا دیکر فقیر
مدح تو بھی ختم کرتا ہے یونہیں دیکر دعا

ہر دعا میں ہے مقدر شرطِ اِنْ اَعْطَیْتَنِی
صاف لعنت کا دعا میں تیری آتا ہے مزا

[1] قرآن شریف میں شعرائے جاہلیت کی نسبت فرمایا ہے کہ اِنَّھُمْ یَقُولُونَ مَا لَا یَفْعَلُونَ یعنے وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے

پردۂ عرضِ ہنر میں مانگتا ہے بھیک تو
گر یہی ہے شاعری تو تجھ سے بہتر ہیں گدا

---

زہر دل کا جبکہ واعظ نے لیا سارا اُگل
اور نہ کوئی تیر باقی اُسکے ترکش میں رہا

سُنکے شاعر نے کہا بس اے خدنگ انداز بس
ہے زباں تیرے دہن میں یا سنانِ جانگزا

چوٹ تھی تیری سخن پر جا پڑی اخلاق پر
تو نے چاکِ پیرہن کو تا جگر پہنچا دیا

خُردہ گیری کے لئے حاضر ہے شاعر کا کلام
اِس سے کیا مطلب کہ ہو وہ بندۂ حرص و ہوا

تو اگر معصوم ہو تو کچھ کہی جاتی نہیں
پھنس رہا ہے نہ اس پھندے میں ہم شاہ و گدا

کھیلتے پھرتے ہیں میدانِ جہاں میں سب شکار
آڑ میں ٹٹّی کی لاکھوں ہیں ہزاروں برملا

حرص ہوتی جسم میں انسان کے گر جائے خوں
شاعروں سے تیرے چہرے کی دمک ہوتی سوا

میں نے اِن آنکھوں سے اے واعظ لباسِ وعظ میں
جَو فروشی کرتے دیکھے ہیں بہت گندم نما

خبط ہے اک تم کو۔ کہدوں گر بُرا مانو نہ تم
آپ ہو بیمار اَور اوروں کو دیتے ہو دوا

آپ میں تسبیح و ذکر و طاعت و زہد و ورع
خوبیاں سب کچھ سہی پر دل کا مالک ہے خدا

میں بتاؤں آپ کو اچھّوں کی کیا پہچان ہے
جو ہیں خود اچھّے وہ اَوروں کو نہیں کہتے بُرا

بات حق ہو یا کہ باطل تیری مرضی کے خلاف
مُونھ سے نکلی اور تجھے تکفیر کا پہلو ملا

ترکِ اولیٰ پر فضیحت جسقدر کرتا ہے تو
قتلِ انساں پر نہیں ملتی کہیں ایسی سزا

ہے فقط دوزخ تری سرکار میں جنت نہیں
چوک جس سے ہو گئی کچھ۔ پھر نہیں تو بخشتا

عاصیوں کی مغفرت جن سے نکلتی ہے صریح
ایسی آیات اور حدیثوں سے ہے تو جی میں خفا

گر خدا بھی واعظو ہوتا تمھیں سا سخت گیر — اِس چمن کو دیکھتا کوئی نہ پھر پھولا پھلا

گرم بازاری اسی میں اپنی بس سمجھے ہو تم — لوگ ہوں بدراہ۔ اور اُنکے بنو تم رہنما

چاہتے ہو تم یہاں کثرت معاصی کی ہو ٹھیر — ہیں اطبّا چاہتے جس طرح امراض او وبا

آپ اِن باتوں کو اک بہتان سمجھیں گے مگر — سُوجھتی اکثر نہیں انسان کو اپنی خطا

جو کہوں ہیں اسکو باور کہ نہیں اسمیں خلاف — شاعروں کے کذب سے بدتر ہے واعظ کی ریا

یہ بھی کوئی جھوٹ ہے ہم جسکے خود ہیں معترف — جُھوٹ وہ ہے جو ہو پردے میں تقدّس کے چھپا

دعوتوں میں آج تھا جس شوق سے جاتا ہے تو — ایک بھی کی ہی نماز اِس شوق سے تُو نے ادا

یاد ہے وہ تیرا کھانا دیکھ کر کھانے چُنے — دینؔ قائم ہے ابھی یارو کرو شکرِ خُدا ۵

مدرسے کوشش سے تیری کھُل گئے ہیں شہر شہر — مسجدیں بھی تو نے بنوائی ہیں اکثر جا بجا

پھر یہ حیرت ہے کہ اِن کاموں میں جو لاگت لگی — اُس سے وہ چندا آپکے دیوانخانے میں لگا

مجرموں کے جرم شاید ہوں اتنے خوفناک — نیکیاں تیری ہیں جیسی پُرخطر روزِ جزا

ہے یقیں اُتنا ہی ہوگا دل میں اپنے تو حقیر — جسقدر رہا ہے زید و عمرو نے تجھ کو بڑا

کر دیا رسوا تری تزویر نے تذکیر کو — ورنہ اِک منصب تھا یہ شایان شانِ انبیا

لطف ہے تو دلربا اور قہر ہے تو دلفریب — سحر ہے افسوں ہے جادو ہے تری جو ہے ادا

گہہ جہنّم سے ڈرا کر چاہتا رشوت ہے تو — گاہ حُوروں پر لبھا کر مانگتا ہے رُونما

گُونجتا ممبر ہے یوں بیٹھکر گویا کہ آپ — آسماں سے لیکے اُترے ہیں ابھی حکمِ خُدا

۵ یعنی علما کی دعوت میں ایسے ایسے تکلفات کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں دیندار لوگ ابھی موجود ہیں اور دین قائم ہے

ہاتھ میں ہے تیرے گویا نار و جنت کی کلید
نیکیاں برباد ہیں ساری تری خدمت بغیر
اپنی اک اُمّت الگ سب سے بنانے کے لئے
تیرے گھر ہیں مسلمانوں میں ہے جبتک نزاع
جس طرح جھگڑوں کے خواہاں ہیں عدالت میں وکیل
چاہتا ہے تو ہمیں جوتی سدا چلتی رہے
شاعروں کو بس اسی مونھ سے گدا کہتا ہے تو
کچھ گدا کہنے سے تیرے ہم گدا ہوتے نہیں
شاعری پر ہے بڑا یہ طعن حضرت کا کہ ہم
طعن کچھ بیجا نہیں کہتے ہیں پر اک عذر ہم
سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگوں کا اک پیشہ ہے مدح
اپنے اپنے کام اور پیشہ میں ہم ہوں یا کہ تم
وعظ میں دیتے ہو آخر داستاں کی چاٹ تم
مدح میں ہم بھی یونہیں کرتے ہیں رنگ آمیزیاں
پھول پھل سے بھر دیے ہر جب بناتے ہیں ہم
سرو و سوسن و نسرین و گل ہیں جب دکھا پاتے نہیں

جس نے پوجا[۱] تجھ کو وہ فردوس میں داخل ہوا
فرقۂ ناجی ہی بس اک پوجنے والا ترا
تفرقے ڈالے ہیں دینِ حق میں تو نے جابجا
اختلافِ اُمّت کا حق میں تیرے رحمت ہو گیا
مانگتا ہے تو ہمیشہ باہم خصومت کی دعا
کشتیِ اسلام کا پھر کیوں نہ ہو تو ناخدا
اے اسیرِ دامِ نفس اے بندۂ حرص و ہوا
ورنہ ہم بھی یوں تو کہہ اٹھتے ہیں لعنتوں کو گنا
حد سے بڑھ جاتے ہیں جب کہتے ہیں ہیچ انبیا
غور کرنا عذر پر ہے شیوۂ اہلِ صفا
جیسے تم لوگوں کا پیشہ ہے یہی مکر و ریا
کرتے ہیں ہوتا ہے جو کچھ مصلحت کا مقتضا
راستی سے کام جب چلتا نہیں تسخیر کا
جب بتِ ممدوح پر کھلتی نہیں سادی قبا
ایک طرہ اس میں آزادی کا دیتے ہیں لگا
وصفِ رنگ و بو سے ہم دیتے ہیں عیب انکا چھپا

۱ پوجنا محاورہ میں نذر کرنے کو کہتے ہیں۔

پر ہم اس پیرائے میں خود اپنا دکھاتے ہیں کمال — ورنہ ایسی مدح ہے ممدوح کے حق میں ہجا

اس سے بڑھ کر ہجو ہو سکتی ہے کیا انسان کی — لکھیں اعمیٰ کو بصیر اور راہزن کو رہنما

عدل میں لکھتے ہیں ہم نوشیروانِ عہد انھیں — ایک منکوحہ کا حق تو ہو نہیں جن سے ادا

حاتمِ وقت انکو ٹھہراتے ہیں جن کا بذل و جود — اسلئے ہے تاکہ حاصل حاکموں کی ہو رضا

زیرکی میں انکو کہتے ہیں ارسطوئے زماں — ہمنشیں احمق بناتے ہیں جنہیں صبح و مسا

کہتے ہیں کس شدّ و مد سے انکو ہم بیدار مغز — جو نہیں واقف کہ آمد کیا ہے اور ہے خرچ کیا

جو غلامانہ خوشامد کرتے ہیں حکّام کی — انکی آزادی پہ ہم کہتے ہیں سو سو مرحبا

انہیں ثابت کرتے ہیں ہمدردِ نوعِ بشر — آپ کو گنتے ہیں جو نوعِ بشر سے ماورا

حامیِ اسلام دیتے ہیں خطاب انکو کہ جو — کرتے ہیں رسوا چلن سے اپنے نام اسلام کا

یادرِ خلق انکو کہتے ہیں جنہیں اے واعظو — تم کسی کے کام کا رکھتے نہیں اپنے سوا

مدح کی جاتی ہے یہاں اکثر اسی انداز سے — شیخ ہو ممدوح یا واعظ غنی ہو یا گدا

قطبِ دوراں ان ریاکاروں کو ٹھہراتے ہیں ہم — آپ کو بھی جو سکھائیں مدّتوں مکر و دغا

ان فسوں سازوں کو ہم لکھتے ہیں ذوالنونِ زماں — بیٹھ کر مہ پہ جو آنکھوں کا کاجل لیں اڑا

آپ جھٹ اسکو کہے جو مدح وہ ہمعصر ہے — نام اسی کا مدح ہے تو ہجو ہے پھر چیز کیا

چبھتی اور دکھتی سخنور نے یہ کی تقریر جب — اور لگے سب سنکر اپنے دیکھ کر یہ ماجرا

دل میں واعظ نے پڑھی لاحول اور سمجھا کہ ہیں — چھیڑ کر اک بے ادب نے مفت میں رسوا ہوا

پر بظاہر داغ یہ دامن سے دھونے کے لئے — ہنسکے اک سنجیدگی سی اور متانت سے کہا

ہو چکیں باتیں ہنسی کی اب کرو کچھ اور ذکر ‎ ہزل و استہزا زیادہ حد سے ہوتا ہے بُرا

کہئے فکرِ شعر کا ہوتا ہے اب بھی اتفاق ‎ آپنے دیواں مرتب کیجئے نہیں تک کیا

ہیں ہنسی کی اور باتیں۔ کیجئے انصاف اگر ‎ ہے غزل میں آپ کی دیوانِ حافظ کا مزا

عرش کی شاعر نے حضرت کا ہی یہ حسنِ ظن ‎ ورنہ میں کیا اور میرا مجموعۂ اشعار کیا

قبلہ اب وہ دن گئے جو شاعروں کی قدر تھی ‎ شاعری اور نکتہ پردازی میں ہے اب کیا دھرا

شعر اگر کہئے تو روٹی جا کے کس گھر کھائیے ‎ سیکڑوں پھرتے ہیں شاعر تنگدست و بے نوا

اب تو یہ کہتا ہوں شعر و شاعری کو چھوڑ کر ‎ وعظ میں شاگرد ہو جاؤں کسی اُستاد کا

اِس گئے گذرے زمانہ میں بھی یہ فنِ شریف ‎ کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا

آپ لوگوں کی تو اسمیں ریس کرنی ہے محال ‎ پر ہمیں بھی سیکھنے سے کچھ نہ کچھ آجائیگا

روز اک سونے کی چڑیا گر نہ ہاتھ آئی تو آے ‎ ہم گنہگاروں کا پیٹ ایسا نہیں ہے کچھ بُرا

کی سخن پرداز نے واعظ سے جب یہ گفتگو ‎ قہقہوں سے چار سو مجلس میں اک غل پڑ گیا

خواب کا سا وہ سماں جاتا رہا سب یک بیک ‎ اور دی پہلو سے دل نے کان میں میرے صدا

ہزل ہو یا جد نصیحت لیجیے ہر بات سے +
کہہ گئے ہیں اہلِ دل دَعْ مَا کَدِرَ خُذْ مَا صَفَا

# جشن جوبلی

مرتبہ سنہ ۱۸۸۷ء

ہے عہد یہ کس جشن کی یا رب کہ سراسر<br>ہے جوبلی ہی جوبلی ایک اک کی زباں پر

یہ عہد۔ کہ گذرے ہیں برس جسکو پچاس اب<br>ست جُگ سے بھی یہ ہند کے حق میں کہیں بہتر

وہ دورِ تعصّب تھا یہ ہے دورۂ انصاف<br>وہ جنگ کا مُوجب تھا یہ ہے صلح کا رہبر

جمشید پہ جب آگ ہوئی سنگ سے ظاہر<br>ایران میں کیا جشنِ سدہ اس نے مُقرر

اِس عہدِ ہمایوں میں ہزار ایسے کرشمے<br>ظاہر ہوئے اِس طرح کہ عقلیں ہوئیں ششدر

یہ جشن مُبارک ہے بہت جشنِ سدہ سے<br>وہ آگ نکلنے کا۔ یہ بجھنے کا ہے مظہر

اِس دورِ خجستہ میں وہ سب بُجھ گئے شعلے<br>تھی جنکی جہانسوز لپٹ آگ سے بڑھ کر

اِس عہد نے وہ خون بھرے ہاتھ کئے قطع<br>جو پھیرتے تھے بیٹیوں کے حلق پہ خنجر +

بیٹوں کی طرح چاہتے ہیں بیٹیوں کو اب<br>جو لوگ روا رکھتے تھے خُونریزی دختر

جب بیٹیوں نے زندگی اس طرح سے پائی<br>دی زندگی اِک اَور اُنھیں علم پڑھا کر

اِس عہد نے کی آکے غلاموں کی حمایت<br>اِنساں کو نہ سمجھا کسی اِنسان سے کمتر

دی اُس نے مٹا ہندیوں سے رسم ستی کی<br>گویا وہ ستی ہوگئی خود۔ عہدِ کہن پر

یہ قصیدہ انجمن اسلامیہ لاہور کی ایڈریس کے ساتھ انجمن کی طرف سے بحضور ملکہ معظمہ قیصر ہند گزرانا گیا تھا۔

نابود کیا اس نے زمانہ سے ٹھگی کو ‎ اک قہر تھا اللہ کا جو نوع بشر پر
اس عہد میں انساں ہی نہیں ظلم سے محفوظ ‎ مظلوم نہ اب بیل نہ گھوڑا ہے نہ خچر

اے نازشِ برطانیہ اے فخرِ بزرگ ‎ اے ہند کے گلہ کی شباں ہند کی قیصر
سچ یہ ہے کہ فاتح کوئی تجھ سا نہیں گذرا ‎ محمود نہ تیمور نہ دارا نہ سکندر
تسخیر فقط اگلوں نے عالم کو کیا تھا ‎ اور تو نے کیا ہے دلِ عالم کو مسخر
بند اپنے فرائض میں مسلماں ہیں نہ ہندو ‎ معمور مساجد ہیں تو آباد ہیں مندر
بجتا ہے فقط چرچ میں اتوار کو گھنٹا ‎ سنکھ اور اذاں گونجتے ہیں روز برابر

گو منتِ قیصر سے ہے ہر قوم گرانبار ‎ احساں مگر اسلام پہ ہیں اسکے گرانتر
معلوم ہے جو موروں پہ اسپین میں گذری ‎ جس وقت ازابلا ہوئی واں صاحبِ افسر
حالت وہی اس ملک میں پہنچی تھی ہماری ‎ گر ہوتا نہ اگر اسکا نشاں ہند میں آکر
اب ہند میں کشمیر سے تا راس کماری ‎ ہر قوم کے ہیں پیرو جواں متفق اس پر
امید نہیں ہند کے راحت طلبوں کو ‎ راحت کی کسی سایہ میں جز سایۂ قیصر
گر برکتیں اس عہد کی سب کیجئے تحریر ‎ کافی ہے نہ وقت اسکے لئے اور نہ دفتر
ہے اب یہ دعا حق سے کہ آفاق میں جبتک ‎ آزادی و انصاف حکومت کے ہیں جوہر
قیصر کے گھرانے پہ رہے سایۂ یزداں ‎ اور ہند کی نسلوں پہ رہے سایۂ قیصر

# پھوٹ اور ایکے کا مناظرہ

## مرقومہ سنہ ۱۸۹۰ء

پھوٹ سے ایکے نے یہ کی گفتگو — مَیں ہوں جہاں کا چمن آرا کہ تو
میرا ہے یا تیرا مبارک قدم — مجھ سے ہے یا تجھ سے بقائے اُمم
اپنی ستائش نہیں زیبا - مگر — حق نہ جتاؤں تو ہے خوفِ ضرر
منزلِ ہستی کا ہوں مَیں رہنموں — کچھ نہ ہو اے پھوٹ اگر مَیں نہوں
مجھ سے ہی اجسام کو ہے اِلتیام — مجھ سے ہی اجرام میں ہے اِنتظام
میری بدولت ہے کھچا اور تنا — جال یہ سب ثابت و سیّار کا
میرا اگر ہو نہ قدم درمیاں — زیر و زبر ہو ابھی نظمِ جہاں
دانوں کو دیتا ہوں مَیں خرمن بنا — قطروں سے دیتا ہوں میں دریا بہا
ڈھیلوں سے چُنتا ہوں حصارِ حصیں — ریشوں کو کر دیتا ہے حبل المتیں
مَیں ہوں اگر مورچوں کے درمیاں — اُن کا سلیماں کو کروں میہماں
مجھ سے ہے ہر قوم اِعانت طلب — کرتے ہیں طاقت مری تسلیم سب
قوموں کے اِقبال کی مَیں ہوں دلیل — مَیں نہیں جس قوم میں وہ ہے ذلیل
مجھ سے گھرانوں کی ہے چھاتی پہاڑ — مَیں نہیں جس گھر میں وہ گھر ہے اُجاڑ
ملک ہیں آباد مری ذات سے — یُمن ہے اِک میری کرامات سے

یکّ نے ہے جس قوم کو بخشا وقار
قوم وہی قوم ہے باقی گھار

بخت عدو مال ہے اُس قوم کا
بندہ خود اقبال ہے اُس قوم کا

نرغہ میں گھر جائے گر ایک اُنکا فرد
لاکھ یہ بھاری ہے بوقتِ نبرد

ڈال نہیں سکتا کوئی اُسپہ ہاتھ
سُوجھتی ہے قوم تمام اُسکے ساتھ

میرا ہے جس ملک میں جاری عمل
وھاں کبھی آنے نہیں پاتا خلل

میرے تصرف میں ہے جو سرزمیں
وھاں کوئی بیکس کوئی تنہا نہیں

ایک ہے زخمی تو ہیں سب دلفگار
ایک ہے مظلوم تو حامی ہزار

ایک کو گر دیکھتے ہیں مضطرب
پیٹ کو پکڑے ہوئے پھرتے ہیں سب

آگ اگر گھر میں لگی ایک کے
قوم میں گھر گھر دھویں اُٹھنے لگے

کُل کی مصیبت میں ہیں کل مبتلا
ایک پر آتی نہیں کوئی بلا +

ضعف دباتا نہیں اُنکو کبھی
رکھتے ہیں کمزور بھی وھاں دل قوی

غم نہیں اِفلاس کا مُفلس کو وھاں
ایک کا اِفلاس ہے سب پر گراں

ایک کی خواری سے ہیں نادم ہزار
ایک ہے رسوا تو ہیں سب شرمسار

ایک کی عزت ہو تو نازاں ہیں سب
ایک ہو گر شاہ تو سلطاں ہیں سب

---

سُنتی ہے اے خانہ برانداز جھوٹ
سچ ہے یہ سب میرا بیاں یا کہ جھوٹ

مجھ میں نہیں عیب کچھ اسکے سوا
ساتھ مرے تیرا ہے کھٹکا لگا

ذات ہے میری مہِ کامل - مگر
دیتی ہے گہنا مجھے تو آن کر

ہوتی اگر تیری یہاں ہست و بُود
میرا مُبارک تھا جہاں میں وجود

چشمۂ رحمت ہے۔ جماعت وُلے
کرتی ہے تو آکے مُکدّر اُسے

چار جو مل بیٹھتے ہیں یہاں کبھی
سب نظرِ بد سے ہیں لرزاں تری

صلح کا رہتی ہے بُرا تکتی تو
دو کو بہم دیکھ نہیں سکتی تو۔

قطع و بُرش تیری جبلّی ہے خُو
گوشت جُدا کرتی ہے ناخن سے تو

بھائیوں کو کرتی ہے اغیار تُو
یاروں کو کردیتی ہے بے یار تو

ڈالتی ہے اُنمیں نزاع اور خلاف
دو کے نہیں چھوڑتی دل اُنمیں صاف

قوم میں جو دیکھئے چھوٹا بڑا
چُنتا ہے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جُدا

مضحکہ خود اپنا بناتے ہیں وہ
اپنے پہ عالم کو ہنساتے ہیں وہ

سُوجھتی ملّت کی نہیں کوئی بات
یہ جو کہے دن تو وہ کہتا ہے رات

رہتا ہے ایک ایک کے درپے نہاں
جِس سے جسے دیکھئے۔ ہے بدگماں

زید کا ہے عمرو سے ظاہر ملاپ
دِل میں بھرا دونو کے لیکن ہے پاپ

ایک یہ کہتا ہے کہ میری چلے۔
دوسرا خواہاں کہ زک اُسکو ملے

دیکھئے جِسکو وہ ہے اِس تاک میں
یاروں کے منصوبے ملیں خاک میں

قوم کی قوم آتی ہے بیکس نظر
جاتی ہیں جھاڑو کی سی سینکیں بکھر

عیب ہیں جو تجھ میں وہ مجھ میں نہیں
خوبیاں جو مجھ میں ہیں تجھ میں نہیں

پھُوٹ نے ایکے سے سُنا جب یہ لاف
بولی کہ تقصیر ہو میری معاف

نام ہے بدنام مقرر مرا +
ذکر برائی سے ہے گھر گھر مرا

پر کوئی انصاف سے دیکھے اگر
میں ہوں وہی جو کہ ہے تو بسر

عیب ہیں کچھ مجھ میں تو تجھ میں بھی ہیں
خوبیاں تجھ میں بھی ہیں مجھ میں بھی ہیں

خلق کے ہم دونو مددگار ہیں
دوست کا تو یار ہے دشمن کی میں

اپنوں سے تو غیروں کو کرتا ہے زیر
میں ہوں کہ دل غیروں کا رکھتی ہوں شیر

میں کروں تائید نہ تیری اگر
ہو کوئی خوبی نہ تری جلوہ گر

کام رہیں سارے ادھورے ترے
ہوں کبھی منصوبے نہ پورے ترے

میرے ہی بل چلتی ہے گاڑی تری
مجھ سے ہی سرسبز ہے باڑی تری

میں جو نہ ایراں کو دلاتی شکست
رومیوں کے حوصلے ہو جاتے پست

ڈالتی بغداد میں گر میں نہ جال
کرتی نہ عباسیوں کو پائمال

کام نہ آتا کوئی تیرا ہنر-
فتح نہ پاتی کبھی فوج تتر +

ہوتی بخارا میں نہ گر میں مخل
کرتی نہ سامانیوں کو مضمحل

غزنوی اس طرح نہ پاتے فروغ
ٹھہرتے دعوے ترے سارے دروغ

ہند میں میں گل نہ کھلاتی اگر
رنگ نہ یہاں اپنا جماتی اگر

غوریوں کو فتح دلاتا نہ تو
خلجیوں کے کام کچھ آتا نہ تو

لودیوں کے بڑھتے نہ آگے قدم
مغلوں کا یہاں آکے نہ گڑتا علم

ہند میں کرتی نہ اگر میں وطن
پھیلتے مغرب کے نہ یہاں علم و فن

یہ تو لیا تو نے سُن لے اتفاق — اب کہوں کچھ اور جو گذرے نہ شاق

تجھ سے سوا تجھ میں ہے سچ اسکو جان — جلوہ گرِ انصاف الٰہی کی شان

تو جو کسی قوم کا بنتا ہے یار — چاہتا ہے بگڑے نہ وہ زینہار

اُسکو نہ پیش آئے کبھی روزِ بد — بات رہے اُسکی بنی تا ابد

حصہ میں اُسکے رہے عزّ و شرف — رشک سے قومیں تکیں اُسکی طرف

آئے نہ اقبال کو اُسکے زوال — دوست رہیں شاد عدو پائمال

تیرا تو یہ خاصہ ٹھہرا - مگر - — عادتِ حق کی نہیں تجھ کو خبر

آج کسی کو جو چڑھاتا ہے وُہ — دُوسرے دن اُسکو گراتا ہے وُہ

جزر ہے دریا میں پس از مد ضرور — عزّت و دولت کی ہے اِک حد ضرور

ختم جب اقبال کا ہوتا ہے دور — سارے بگڑ جاتے ہیں قوموں کے طَور

خصلتیں اُنکی نہیں رہتیں درست — فرض ادا کرنے میں رہتے ہیں سُست

بھُول کے بھی وہ نہیں لاتے بجا — بندوں کے حق اور نہ حقوقِ خدا

ملتی ہے ہر چند کہ مہلت اُنہیں — پر کبھی ہوتی نہیں عبرت اُنہیں

جب نہیں غفلت کا اُترتا خمار — ہوش میں آتے نہیں وہ زینہار

کرتے سزا سے نہیں پھر درگذر — کارگذارانِ قضا و قدر

لیتے ہیں چھین اُنسے حکومت کبھی — کرتے ہیں سلب اُنکی لیاقت کبھی

علم کبھی دیتے ہیں اُنکا مٹا۔ — دیتے ہیں دولت کبھی اُنکی لٹا

اُسپہ بھی ہوتے نہیں جب ہوشیار
بھیجتے ہیں قحط و وبا بار بار

کوڑے یہ کھا کھاکے گر سنبھل
سر سے بلا قوم کے جاتی ہے ٹل

ورنہ مجھے کرتے ہیں مامور وہاں
تاکہ کروں قدرتِ باری عیاں

اَلحذر اُسوقت سے لے اتّفاق
آنکے جب کہتی ہوں میں اَنفراق

آگئے اُس قوم کے بس دِن بُرے
حق نے کیا جسپہ مسلّط مجھے

کوہ کو کرتی ہوں پرِ کاہ مَیں -
شیروں کو کردیتی ہوں روباہ مَیں

قدر و بہا قوم کی لیتی ہوں چھین
کوڑی کے کردیتی ہوں مَیں تین تین

کرتے نہیں غیر اُنہیں آکے پست
پاتے ہیں وہ اپنے ہی ہاتھوں شکست

دیتے ہیں دھیاں اُنکا بداندیش چھوڑ
آپ ہی مرجاتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ

آگ پہ گویا کہ ہوں بارود مَیں +
قوموں کو کردیتی ہوں نابود مَیں

ہوگیا جس مُلک میں یہاں میرا راج
قحط و وبا کی نہیں وہاں اِحتیاج

قحط و وبا کرتے ہیں جانیں تلف
کھوتی ہوں مَیں قوم کا عزّو شرف

دیتے ہیں وہ قوم کی گنتی گھٹا -
کرتی ہوں میں قوم کو بالکل فنا

حکم یہی ہے مجھے لے اِتفاق
ڈالتی ہوں اِسلیئے اُنمیں نفاق

ہے مری تحقیر خلافِ ادب
مَیں ہوں فرستادہ درگاہِ رب

---

سلسلہ تقریر کا جب بڑھ گیا
پھوٹ کو یہ غیب سے آئی صدا

ڈال دئے تو نے دلوں میں شگاف
حد سے سوا بڑھ گئی تو شرم شرم
چیز حقیقت میں کوئی تو نہیں
چیز وہی چیز حقیقت میں ہے
فطرتِ انساں کے ہے جو کچھ خلاف
طبعِ بشر میں ہے ودیعت وِفاق
روم ہوں یا ترک عجم یا عرب
ایک کو ہے ایک کی جانب جُھکاؤ
ہوتی کچھ اے پھُوٹ اگر تیری اصل
تو ہے وہ چشمہ نہیں جس میں آب
ایسے بہت کرتی ہیں جلوے عیاں
جیسے کہ بے اصل خبر گاہ گاہ
تجھ سے بھی پڑ جاتے ہیں اکثر بگاڑ
ہے یہ نمائش تری اے خود نما
سیکڑوں گھر جہل نے گھالے ہیں یہاں
جہل کا چھایا ہے اندھیرا جہاں
ٹھیک نہیں سُوجھتی وہاں کوئی چیز

کب تلک اے پھُوٹ یہ لاف و گزاف
جھوٹ میں اور اِتنا غُلو۔ شرم شرم
تجھ میں حقیقت کی کہیں بُو نہیں
تعبیہ جو خلق کی فطرت میں ہے
ہیچ ہے وہ اِسمیں نہیں اختلاف
وھاں نہیں مطبوع بجز اِتّفاق
مِہر و محبّت یہ ہیں مجبُول سب
ایک سے ہے ایک کے دل کو لگاؤ
مُتّحد اِنسان کی ہوتی نہ نسل
تیری نمائش ہے برنگِ سراب
آدمِ خاکی کی غلط فہمیاں
مُلک کرا دیتی ہے دم میں تباہ
رائی کے ہو جاتے ہیں بن کر پہاڑ
شعبدہ اِک وہمِ غلط کار کا
پردے بہت عقلوں پہ ڈالے ہیں یہاں
مُلک کو ظلمت نے ہے گھیرا جہاں
نفع و ضرر میں نہیں ہوتی تمیز

قوم کی تعریف نہیں جانتے — اپنی حقیقت نہیں پہچانتے

کر نہیں سکتے وہ حقائق میں غور — کہتے ہیں جڑ اور ہے ٹہنی ہے اور

جانتے دریا کو ہیں اِک شئے جُدا — قطروں سے کہتے ہیں کہ وہ ہے جُدا

پر یہ عزیزوں کو نہیں سوجھتا — ہے انھیں قطروں سے وہ دریا بنا

بس یہی اِنساں کی غلط کاریاں — دیتی ہیں پہنچا اسے اکثر زیاں

ہوتا ہے بیٹھا ہوا جِس شاخ پر — تولنے لگتا ہے اُسی پہ تبر

چلنے کو جس راہ میں ہوتا ہے وہ — کانٹے اُسی راہ میں بوتا ہے وہ

پینے کا جو اُسکے ہے جاں بخش جام — زہر ملاتا ہے اُسی میں وہ خام

حق کبھی ہونے نہیں دیتیں عیاں — جہل کی چھائی ہوئی تاریکیاں

ہوتی ہے پر ختم شبِ تار جب — پھیلتے ہیں علم کے انوار جب

شئے نہیں رہتی کوئی پیشِ نظر — نورِ حقائق کے سوا جلوہ گر

سچ نظر آتا ہے سچ اور جھوٹ جھوٹ — تفرقہ رہتا ہے نہ رہتی ہے پھوٹ

وہم دوئی دل میں سماتا نہیں — اپنے سوا کچھ نظر آتا نہیں

بھائیوں پر پہلے کئے تھے جو وار — اپنا بدن پاتے ہیں اُنسے فگار

اُنپہ چلائے تھے جو تیر و سناں — اپنے بدن پر ہیں اب اُنکے نشاں

اُنکے سمجھ کر جو بگاڑے تھے کام — کام نکلتے ہیں وہ اپنے تمام

علم ہو جس قوم کا یہاں راہبر
جانتے ہیں وہ برکاتِ وفاق
فرق نہیں اُنکے زن و مرد میں
رتبہ یہ ایکے لئے ہے اُن کو دیا
زور سے ہیں اُنکے زبردست زیر

برکتیں اللہ کی اُس قوم پر
اُنپہ ہیں روشن خطراتِ نفاق
قوم کی طاقت ہے ہر اک فرد میں
لاکھوں کروروں پہ ہیں فرمانروا
لومڑیاں سامنے اُنکے ہیں شیر

اے کہ تری ذات ہے عالم پناہ
جوڑنا ٹوٹوں کا ترے ہات ہے
نتیجِ ادبار ہے جب تک نفاق
تلخ ہے جب تک ثمرِ اختلاف
بھیجیو نکبت نہ کسی قوم پر
ٹوٹے نہ آفاق میں سنگت کوئی
بند سے ہو بند نہ کوئی جدا
پُھوٹ کسی قوم میں پڑ جائے جب
رکھنی ہے باقی تجھے گر اُنکی نسل
ورنہ اگر ہو نہ مِلاپ اُنکو راس
وہ جئے تو کیا جئے بے آبرو
پُھوٹ ہو جس قوم میں وہ قوم کیا

اسود و احمر کا ہے تو بادشاہ
تیری صفت جامعِ اشتات ہے
مُثمِرِ اقبال ہے جب تک وفاق
ہے تر و تازہ شجرِ ائتلاف
رکھیو ہر اک قوم کو شیر و شکر
ہو نہ پراگندہ جماعت کوئی
بکھرے نہ شیرازہ کسی قوم کا
ایک سے ایک اُنمیں بچھڑ جائے جب
تفرقہ کر اُن کا مُبدل بہ وصل
اور نہ ہو سر جوڑنے کی اُنکو آس
جلد اُٹھا لے اُنھیں دنیا سے تو
حق میں ہے اُس قوم کے بہتر فنا

# مسلمانوں کی تعلیم

## مرتبہ سنہ ۱۸۹۰ع

یہ ترکیب بند محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے چوتھے اجلاس مین بمقام علیگڈھ پڑھا گیا تھا

زمانہ دیر سے چلّا رہا ہے اے مسلمانو! کہ ہے گردش ہیں میری غیب کی آواز پہچانو

سُنے ہوں گر نہ معنی لَاتَسُبُّوا الدَّہر کے[1] تم نے تو اب سُن لو کہ ہوں میں شانِ ربّانی مجھے مانو

وہ ناصح اور ہونگے جن کا کہنا ٹل بھی جاتا ہے اگر میری نہ مانوگے تو پچھتاؤگے نادانو

مری بازی کا منصوبہ گیا کب کا پلٹ یارو خبر تم کو بھی ہے کچھ اے مرے چالوں سے بیگانو

گئے وہ دن کہ ثروت باپ دادا چھوڑ جاتے تھے بس اب ثروت ہے مزدوروں کا حصہ اے تن آسانو

گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنر یہاں عیش کرتے تھے ہوا ہے بے ہنر جینا بھی اب مشکل مری جانو

مٹے ہو جس ہنر اور فن پہ تم وہ مٹنے والے ہیں یہ سودا کب تک اے شمع سحرگاہی کے پروانو

بھرا سمجھے ہو جس گھر کو نہیں دیّار وہاں کوئی کہاں بیٹھے ہو تم اے خانۂ ویراں کے دربانو

نصیحت میری مانو اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
پھری جس وقت دیکھو میری چتون تم بھی پھر جاؤ

گیا دورہ حکومت کا بس اب حکمت کی ہے باری جہاں میں چارسو علم و عمل کی ہے عملداری

[1] یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جسکے الفاظ یہ ہیں "لاتسبّوا الدّہر فان الدہر ہو اللّٰہ" یعنے زمانے کو بُرا نہ کہو۔ کیونکہ وہ بھی ایک شان ہے شیونِ الٰہی میں سے اور زمانے کے جو واقعات تمکو ناگوار گذرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے کام ہیں +

جنہیں دنیا میں رہنا ہے انہیں معلوم ہو انکو
ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صناعت میں
جہاں علم تجارت میں نہ ماہر ہونگے سوداگر
نہ آئیگی پسند ان نوکروں کی خدمت و طاعت
اگر چاہینگے کرنی آدمی گھوڑوں کی سائیسی
نہ مستغنی بکاول علم سے ہوں اب نہ باورچی
یقیں جانو کہ آئندہ ملیگی درسگاہوں میں
کوئی پیشہ نہیں اب معتبر بے تربیت ہرگز

کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری
نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجاری نہ معماری
تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت گرم بازاری
جنہیں پائینگے آقا زیور تعلیم سے عاری
تو دینا ہوگا انکو امتحان علم بیطاری
ہوا ہے مدرسوں سے مطبخوں تک فلسفہ جاری
گر آٹا پیسنے کو چاہیئے گی اک پسنہاری
نہ فصادی نہ جراحی نہ کحالی نہ عطاری

جہاں تک دیکھئے تعلیم کی فرمانروائی ہے +
جو سچ پوچھو تو نیچے علم ہے اوپر خدائی ہے

گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انساں کا اک زیور
کوئی بے علم روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا
مہندس چاہیئے مزدور اب ور راج اقلیدس
نہ پہنیگا کوئی جاہل کی شاید سی ہوئی جوتی
جہانداری میں آج اک ایک عامل ہے جم و کسریٰ
گئے وہ دن کہ تھے محدود کام انسان کے سارے
یہ دورہ ہے بنی آدم کی روزافزوں ترقی کا

ہوئی ہے زندگی خود منحصر اب علم و دانش پر
نہ زرگر اور نہ آہنگر نہ بازیگر نہ سوداگر
بس اب دنیا میں بے علموں کا ہے اللہ ہی یاور
بس اب سمجھی فلاطوں سے نہیں کچھ ہوں تو ہوں کمتر
جہانگیری میں ہے اک ایک سپاہی طغرل و سنجر
برابر تھا بئے کا گھونسلا اور آدمی کا گھر
جو آج اک کام ہے اعلیٰ تو کل ہے اس سے اعلیٰ تر

کوئی دن میں خسارہ سب سے بڑھ کر اسکو سمجھیں گے ... کہ دو دن آدمی ٹھہرا رہے یہاں ایک حالت پر

نہ تھا غیر از ترقی فرق کچھ انسان و حیواں میں ... دیا ہے امتیاز انسان کو یہ تعلیم نے آکر

زمانہ نام ہے میرا تو میں سب کو دکھا دونگا

کہ جو تعلیم سے بھاگیں گے نام اُنکا مٹا دونگا

ہمارے شکر سے اے قوم احساں اُسکا بالا ہے ... کہ جس نے قوم کی تعلیم کا یہاں ڈول ڈالا ہے

خدا کی برکت اور رحمت ہو نازل تجھ پہ اے سید ... کہ تو نے بھائیوں کا ڈوبتا بیڑا سنبھالا ہے

فدائی قوم کے تجھ سے ہی گذرے ہونگے دنیا میں ... کہ دلسوزی کا جنکی آج قوموں میں اُجالا ہے

بھلائی کا تری احسان مانیں یا نہ مانیں ہم ... بھلائی کرنیوالوں کا ہمیشہ بول بالا ہے

کریں کیا گر نہ ابنائے زماں ہوں بدگماں تجھ سے ... کہ دردِ دل کی کیفیت سمجھ سے اُنکی بالا ہے

نمونہ کوئی ہمدردی کا دیکھا تھا نہ یاروں نے ... ترے کاموں نے اُنکو اسلئے حیرت میں ڈالا ہے

کیا ہی کام جو تو نے نہ ڈر انجام سے اُسکے ... کہ نیکی کا نشاں قائم خدا خود رکھنے والا ہے

کیا گو تو نے سب کچھ پر بہت کچھ ہے ابھی کرنا ... ہے آخر قوم کی تعلیم یا موہنہ کا نوالا ہے

جسے احباب اک قصرِ رفیع الشان سمجھے ہیں ... نہو تو اُسکا پشتیباں تو اک مکڑی کا جالا ہے

عزیزوں کو خدا وہ نامبارک دن نہ دکھلائے

کہ سایہ تیری ہمدردی کا اُنکے سر سے اُٹھ جائے

ترے احسان رہ رہ کر سدا یاد آئینگے اُنکو ... کرینگے ذکر ہر مجلس میں اور دہرائینگے اُنکو

تری کوشش پہ تیری زندگی میں جو کہ ہنستے ہیں ... نتائج اُسکے تیرے بعد خوں رلوائینگے اُنکو

تری رایوں کو جو منسوب کرتے ہیں ضلالت سے
زمانے کے حوادث جلد تر شرمائینگے اُنکو

ترے کاموں کو خود کامی پہ جو محمول کرتے ہیں
دل اُنکے کوئی دن جاتا ہے خود جھٹلائینگے اُنکو

اُنھوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید
وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم دکھلائینگے اُنکو

بہت مشکل ہی جانی سرد مہری قوم کے دل سے
مگر تیرے ہی دل کے داغ کچھ گرمائینگے اُنکو

اگر ہیں بھی کہیں کچھ کچھ دبی چنگاریاں باقی
لگائینگے وہ گھر میں آگ جب سلگائینگے اُنکو

بہت ہیں مدعی ہمدردی اسلام کے لیکن
ٹٹولینگے اُنھیں سب یار خالی پائینگے اُنکو

کبھی تسبیح کو اُنکی ملی فرصت وظائف سے
تو تیری خدمتیں اسلام کی گنوائینگے اُنکو

ملا گو قوم سے ابتک نہیں اصلا صلا تجھ کو
نہیں اُمید پر تجھ سے کہ ہو اسکا گِلا تجھ کو

جنھوں نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے
اُنھوں نے پھل سدا محنت کا کم دنیا میں پایا ہے

یہ تیری خوش نصیبی تھی کہ ثمرہ تیری کوشش کا
خدا نے زندگانی میں تری تجھ کو دکھایا ہے

بہت جھکڑ چلے اور آئیں اکثر آندھیاں لیکن
رہا گلزار ہو کر باغ جو تو نے لگایا ہے

دیا ہے ساتھ بھی تیرا ہزاروں نے دل و جاں سے
اگر دو چار نے کچھ کہہ کے تیرا دل دکھایا ہے

اِدھر پورب سے پچھم تک اُدھر اُتر سے دکھن تک
مددگار اپنا جس گوشہ میں ڈھونڈا تو نے پایا ہے

اودھ سے سندھ تک کشمیر سے راس کماری تک
دلوں میں تو نے سکہ شہر شہر اپنا بٹھایا ہے

دکن میں تیرے یاور ہیں دوآبہ میں ترے ساتھی
ترا مداح ملکوں میں ہر اک اپنا پرایا ہے

خصوصاً وہ مبارک ملک جس نے ہند میں اوّل
رکاب اسلام کی تھامی اور اُس پر سر جھکایا ہے

خدا کی برکتیں پنجاب اور پنجاب والوں پر
جنھوں نے قوم کا ہمدرد دل سے تجھ کو مانا ہے

جنھوں نے ہر سفر میں تجھ کو آنکھوں پر بٹھایا ہے
تری نصرت میں اخلاصِ مسلمانی دکھایا ہے

نہ ہو افسردہ دل اور قوم پر فیض اپنا رکھ جاری
کہ اک ہمت سے تیری بندھ رہی ہیں ہمتیں ساری

ہوئے ہیں سرد دل یاروں کے تو ڈھارس بندھاتا رہ
ہو اُن پر وا ہو یا چھیڑ انکو تو اسکی کچھ پروا +
اُمیدیں ہیں بہت وابستہ تیری زندگانی سے
ابھی سیراب کم ہیں اور بہت ہیں تشنہ لب پانی
نہیں تعلیم بے علموں کی کم احیا موتی سے
زبانیں تو نے گر اپنے پہ کھلوائی ہیں حق کہکر
فرو ہوتی نہیں آتش سے جب آتش بھڑکتی ہے
کیا ہے زندہ قوموں کو سدا قوموں کے کشتوں نے
شدائد میں تحمل خاص میراث انبیا کی ہے

اُمیدیں اُنکی استقلال سے اپنے بڑھاتا رہ
لگایا ہے چمن جو تو نے پودا اُس میں لگاتا رہ
دعائیں قوم کی لے لیکے عمر اپنی بڑھاتا رہ
سبیل آخر لگائی ہے تو پیاسوں کو پلاتا رہ
جہاں تک تجھ میں دم باقی ہے مُردوں کو جلاتا رہ
تو خاموشی سے اپنی نکتہ چینوں کو جھکاتا رہ
ہر اک شعلہ کو آبِ بردباری سے بجھاتا رہ
مہم گر فتح کرنی ہے تو چوٹیں دل پہ کھاتا رہ
جو تو آلِ محمد ہے تو سب صدمے اُٹھاتا رہ

کوئی دن اور اس دار المحن میں رنج سہنا ہے
پھر اسکے بعد تجھ کو زندۂ جاوید رہنا ہے

عزیزو حق کی رحمت ہے یہ پیرِ ناتواں ہم میں
ہزاروں ہم میں ہونگے بیچلر اور ماسٹر پیدا

پھر ایسا پیر ہے ہم میں نہ کوئی نوجواں ہم میں
مگر اے قوم پھر یہ صورتیں پیدا کہاں ہم میں

ہو ہم میں قوم کا ہمدرد یہ قدرت خدا کی ہے
نہیں رشتہ کوئی مدت سے باقی درمیاں ہم میں

ہمارے تفرقوں نے کر دیے تحلیل سب اجزا
نہ پاؤ گے کہیں ترکیبِ قومی کا نشاں ہم میں

ابھی اُٹھکر فلاحِ قوم پر کوئی کمر باندھے
ہزاروں اُس سے ہو جائینگے پیدا بدگماں ہم میں

ابھی سُن لیں کسی قومی جماعت میں شکر رنجی
ہزاروں ہونگے یہ بدفال سنکر شادماں ہم میں

بن آئے قوم کی خدمت تو کیونکر ہم سے بن آئے
نہ دور اندیشیاں ہم میں نہ خیر اندیشیاں ہم میں

اگر بوجھ اس پہیلی کی نہ سیّد ہم کو بتلاتا
تو اسلامی اُخوّت بھی فقط اِک چیستاں ہم میں

نہ کی سیّد کے منصوبوں کی گر تائید یاروں نے
تو پھر ہرگز سنبھلنے کی نہیں تاب و تواں ہم میں

بہت مشکل سے ہاتھ آیا ہے منزل کا نشاں یارو
پہنچنے دو سلامت تا بمنزل کارواں یارو

رہو جیسے رہے ہو قوم کے غمخوار و یار اب تک
کرو ڈھیلا نہ اِس رشتے کو جو ہے بے غبار اب تک

جماعت کو تمہاری دیکھتے ہیں لوگ حیرت سے
تمہارے دم سے ہے کچھ قوم کا باقی وقار اب تک

تمہاری کوشش اور ہمّت کا چرچا ہے زمانہ میں
تمہاری خدمتوں کی قوم ہے منّت گزار اب تک

جو کام انجام کرنا ہے تو سیّد کے رہو حامی
کہ قومی کامیابی کا اُسی پر ہے مدار اب تک

وگرنہ دوستو سُن لو کہ ہے آپس کی اَن بَن کا
وہی انجام جو ہوتا رہا ہے آشکار اب تک

پڑے ہیں جا بجا بکھرے ہوئے اطرافِ عالم میں
کھنڈر لاکھوں ہمارے تفرقوں کے یادگار اب تک

ہزاروں باغ ویراں ہو گئے آپس کے جھگڑوں میں
پلٹ کر پھر نہیں آئی جہاں فصلِ بہار اب تک

سفینے غرق لاکھوں کر دیے بادِ مخالف نے
زمانہ کو نہیں معلوم خود جن کا شمار اب تک

نہ سمجھو یہ کہ فارغ ہو گئے ہم خاک میں ملکر
ہماری گھات میں ہے انقلابِ روزگار ابتک

نظر آتا نہیں یہاں حملۂ دوراں سے بچنے کو
سوا اک درسگاہِ قوم کے کوئی حصار ابتک

کرو پورا حصارِ قوم کو سر جوڑ کر یارو
ہٹاؤ حملۂ دوراں کو سب جی توڑ کر یارو

یہ دار العلم سدِّ راہِ آسیبِ زماں ہوگا
اسی دار الشفا میں بختِ پیر اپنا جواں ہوگا

نہیں صورت ابھرنے کی ہمارے کوئی پستی سے
اگر ہوگا اسی گھر سے بلند اپنا نشاں ہوگا

کمی نے کر دیا ہے علم کی ہم کو سبک سب سے
اسی پاسنگ سے ہوگا تو یہ پلہ گراں ہوگا

یہ بیت العلم روز افزوں ترقی کا ہے سرچشمہ
اسی چشمہ سے دیکھو گے کہ اک دریا رواں ہوگا

اگر راس آ گئی آب و ہوا اس کھیت کی ہم کو
تو جو اُٹھیگا پودا اس زمیں سے آسماں ہوگا

یقیں ہے ٹہنیاں پھیلیں گی طوبیٰ سے سوا اسکی
ہمارے واسطے دنیا میں یہ باغِ جناں ہوگا

اگر اسلام میں باقی ہے خصلت حق شناسی کی
تو ایک اک نونہال اس باغ کا خود باغباں ہوگا

جو حق نے عالمِ اسباب دنیا کو بنایا ہے
تو جو نکلیگا یہاں سے کامیاب و کامراں ہوگا

بہت مدت سے ہے قحط الرجال اے قوم اُمت میں
اسی کھیتی سے اُسمیں جنسِ مردم کا سماں ہوگا

بنا اسلام کی کہتے ہیں یہ تعلیم ڈھاویگی
نہ ڈھینے دیگا حق۔ اسلام پر گر مہرباں ہوگا

کسوٹی ہے یہ دار العلم اسلامی اخوت کی
ہم اُس سے بدگماں ہونگے جو اس سے بدگماں ہوگا

کبھی یہاں آکے کچھ دیکھا بھی ہے اے نکتہ چیں یارو
برا کہنا گھروں میں بیٹھ کر اچھا نہیں یارو

اگر رکھتے ہیں دل پہلو میں آ کر یہ چمن دیکھیں
ریاضِ قوم کا فصلِ خزاں میں بانکپن دیکھیں

وطن کو جو سمجھتے ہیں کہ ہے ترجیح غربت پر
وہ آ کر شامِ غربت بہتر از صبحِ وطن دیکھیں

ہوئے ہیں جمع یہاں جو نونہال اطراف سے آ کر
بہم سب کو شریکِ شادی و رنج و محن دیکھیں

محبت انکی جب دیکھیں تو سمجھیں بھائی ماجائے
وطن پوچھیں تو ہند و سندھ و پنجاب و دکن دیکھیں

اگر غیبت میں پوچھیں ایک کا حال ایک سے آ کر
تو ہر طفل و جواں میں حفظِ غیب و حسنِ ظن دیکھیں

تکلف سے بری ایک ایک کو دیکھیں اور بناوٹ سے
سخن میں راستی دیکھیں بیانیں سادہ پن دیکھیں

تواضع منعموں کی دیکھیں اور غیرت غریبوں کی
ادب بچوں کا دیکھیں نوجوانوں کا چلن دیکھیں

تامل رائے میں دیکھیں تو دیکھیں کام میں پھرتی
لڑائی فیلڈ میں دیکھیں کلب میں یونین دیکھیں

اطاعت سلطنت کی۔ احترام اہلِ حکومت کا
وفاداری کی گردن میں بندھی سب کے رسن دیکھیں

نہ بو انمیں غلامی کی نہ بےباکی کی خو انمیں
ادب اور معتدل آزادگی انکا چلن دیکھیں

زباں سے قیصرِ ہندوستاں کا نام لے کوئی
تو اک دریا محبت کا دلوں میں موجزن دیکھیں

سلف پر فخر دیکھیں اور تاسف اپنی حالت پر
لگن اسلام کی اور قوم کی دل میں چبھن دیکھیں

نمازوں کی تقید دیکھیں اور روزوں کی پابندی
اجازت نیک کرداری کی اور ہر کام کی بندی

کلب میں آ کے گر احبابِ ننگِ انجمن دیکھیں
تو زیبِ بزم ہی صدر اک مجسم یونین دیکھیں

نہ دیکھی ہوں جنھوں نے شفقت جماعت کی تصویریں
وہ بک اور اسکے شاگردوں کو باہم ہم سخن دیکھیں

تاسف کرتے ہیں جو ہند کی نا اتفاقی پر
کلب میں ہندیوں کے آئیں وہ اور یونین دیکھیں

اگر باور نہو اخلاص سُنّی اور شیعی کا
بہم شیر و شکر یہاں چار یار و پنجتن دیکھیں

نہ دیکھا ہو جنھوں نے پیار ہندو اور مسلماں میں
وہ آکر مسلم اور ہندو کو یک جان و دو تن دیکھیں

مسیحی کوششیں دیکھیں مسلمانوں کے بچّوں کی
مسیحی کو مسلمانی قبا زیبِ بدن دیکھیں

مجسّم دیکھنی ہو شکل مِہرِ مادری جن کو
وہ بچّوں سے سلوک آرنلڈ و ماریسن دیکھیں

اگر ہو دیکھنی تقریر میں تصویر معنی کی
تو والیس کا بوقتِ درس انداز سخن دیکھیں

اگر اسکول میں جا ہیں کہ دیکھیں ہورسٹ کو آکر
فرائض میں تمام اوقات اُسکے مرتہن دیکھیں

دہم تدریس دیکھیں چکرورتی کو اگر برسوں
نہ پیشانی پہ بل دیکھیں نہ ابرو میں شکن دیکھیں

ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
تو شبلی سا وحیدِ عصر و یکتائے زمن دیکھیں

اگر بوجعفرِ طُوسی کو زندہ دیکھنا چاہیں
تو عباس ابن جعفر سا وحیدِ علم و فن دیکھیں

سخن کوتاہ۔ دار العلم پر ہوں قوم کے نازاں
جو آکر اُسکا ایک اک دُرِّ مکنوں دُرِ عدن دیکھیں

پھر انکے بعد دیکھیں گر مُربّی اپنے بچوں کا
تو اک بچّوں سے بڑھکر زندہ دل پیرِ کہن دیکھیں

خوشی میں رنج میں صحت میں بیماری میں دکھ سکھ میں
اُسے جب آکے دیکھیں قوم کی دُھن میں مگن دیکھیں

رہیں چپ کس طرح ہم باغباں کی مدح و تحسیں سے
جب ایسا حیرت افزا آنکھ سے اپنی چمن دیکھیں

نہ سمجھیں یہ کہ ہے اُسکو ہماری مدح کی پروا
اگر سیّد کا استحقاق اہلِ انجمن دیکھیں

مُحبِّ قوم سُنتا ہے در و دیوار سے تحسیں
جنھیں باور نہ آئے وہ مُحبِّ قوم بن دیکھیں

ادا سیّد کا حق تو ہم سے ہو سکتا ہے کیا حالی
مگر ہاں ہم کو اپنا فرض کرنا تھا ادا حالی

# جوانمردی کا کام

## مرتبہ ۱۸۷۲ء

یہ حکایت ایک انگریزی نثر سے لیگئی ہے اور اُسکو اُردو میں باضافہ بعض خیالات نظم کیا گیا ہے

تھا کسی مُلک میں اِک دَولتمند — حق نے تین اُسکو دیے تھے فرزند

دور و نزدیک تھا گھر گھر چرچا — باپ بیٹوں کی جواں مردی کا

باپ ہوں جنکے مُروّت ولے — بیٹے پھر کیوں نہ ہوں ہمّت والے

ہوچکا عمر کا جب سرمایہ — ایک دن باپ کے جی میں آیا

گھر ہے تکرار کا یہ دَولت و زر — مُشترک چھوڑ مرے اِس کو اگر

جلد ہوجائے کہیں یہ تقسیم — آخر اِک روز ہے مرنا تسلیم

بسکہ تھا اُسکو بہت فکرِ مآل — ایک دن بیٹھ کے سب مال و منال

اِک گرانمایہ جواہر کے سوا — تینوں بیٹوں کو وہیں بانٹ دیا

پھر کہا اُن سے کہ اے اہلِ ہنر — باپ کی جان فدا ہو تم پر

تم میں جس سے ہو بڑا کام کوئی — یہ جواہر ہے امانت اُس کی

باپ نے اُن سے کہا جب یہ سخن — پھر تو تینوں کو لگی اور ہی دُھن

کہ کوئی کار نمایاں کیجے — جس طرح ہو یہ جواہر لیجے

اُن میں بیٹا جو بڑا تھا سب سے
اُس کو یہ فکر سوا تھا سب سے

ایک دن اُس کا کوئی واقفِ کار
کہ نہ تھا جس سے کچھ اخلاص نہ پیار

رکھ گیا آکے جوانمرد کے پاس
ایک بھاری سی رقم بے وسواس

تھے رقم سے وہی دونو آگاہ
نہ نوشتہ تھا کوئی اور نہ گواہ

کچھ بھی نیت میں گر آجائے خلل
تو یہ تھا عین خیانت کا محل

جب رقم اُس نے طلب کی اُس سے
وسوسے دل میں بہت سے آئے

مگر اُس شیر کی نیت نہ پھری
لی تھی جن ہاتھوں اُنھیں ہاتھوں دی

نفسِ سرکش کو کیا مات اُس نے
دی رقم اور نہ دی بات اُس نے

صاحبِ زر نے جو کچھ نذر کیا
وہ بھی اُس دل کے غنی نے نہ لیا

باپ کو آن کے دی جب یہ خبر
ہنسکے فرمایا کہ اے جانِ پدر

اِک بُرائی سے بچے تم تو کیا
اِس سے بڑھ کر بھی کوئی کام کیا

اِک خیانت کے نہ کرنے پہ یہ ناز
شرم کی جا ہے۔ تری عمر دراز

---

منجھلے بیٹے نے پھر اِک دن یہ کہا
میں جو دریا کی طرف جا نکلا

دیکھتا کیا ہوں کہ اِک طفلِ صغیر
گِر کے پانی میں چلا صورتِ تیر

تھا جہاں یار نہ کوئی یاور
ماں کا پہلو تھا نہ آغوشِ پدر

آنکھ تھی جانبِ مادر نگراں
ماں کنارے پہ کھڑی تھی گریاں

گرچہ تھا کام خطرناک بڑا
پر اُسے دیکھ کے دل رہ نہ سکا

جان وتن کی نہ رہی مجھ کو خبر
جا پڑا نام خدا کا لے کر

جان تو جا ہی چکی تھی اُس کی
پر مری شرم خدا نے رکھ لی

ایک دم بھر میں گیا اور آیا
لا کے بیٹے کو دیا ماں سے مِلا

باپ نے سُن کے یہ سب اُس سے کہا
کام مردوں کے یہی ہیں بیٹا +

آدمیّت کا کیا تم نے کام
جاؤ بس ہے یہی اِس کا اِنعام

فخر کی جا یہ مری جاں کیا ہے؟
نہ ہو اِتنا بھی تو اِنساں کیا ہے؟

---

پسرِ خُرد کا اب سنئے بیاں
جو کہ تھا سب سے بزرگی میں کلاں

عرض کرتا ہے بصد عجز و نیاز
باپ سے اپنے کہ اے بندہ نواز

بات گو لائقِ اظہار نہیں
آپ سے کہنے میں کچھ عار نہیں

خوب اِک روز گھٹا چھائی تھی
رات آدھی کے قریب آئی تھی

شبِ تاریک میں وہ ابرِ سیاہ
کہ جہاں کام نہ کرتی تھی نگاہ

اِک پہاڑی پہ چلا جاتا تھا +
خوف چھاتی پہ چڑھا آتا تھا +

ساتھ تم تھے نہ کوئی بھائی تھا
مَیں تھا اور عالمِ تنہائی تھا

کوندی اِک سمت سے بجلی ناگاہ
جس سے آگے کو کھلی راہِ نگاہ

پڑی اِک غار پہ وہاں میری نظر
جس کی صُورت سے برستا تھا خطر

مَوت کھولے ہوئے تھی مُونھ گویا — جسکے دیکھے سے جگر ہلتا تھا
دیکھتا کیا ہوں کہ اِک مردِ غریب — جسکو روتے ہیں کھڑے اُسکے نصیب
جیسے رستے کا تھکا ہو کوئی - — یا کہ جینے سے خفا ہو کوئی -
جان و تن کا نہیں کچھ نیند میں ہوش — غار کے مُونھ پہ پڑا ہے مدہوش
اپنی ہستی کی نہیں اُس کو خبر — اور قضا کھیل رہی ہے سر پر
اجل آجائے تو ہے روک نہ تھام — ایک کروٹ میں ہے بس کام تمام
اِتنے میں اور جو بجلی چمکی + — شکل پھر غور سے دیکھی اُسکی +
مرد نکلا وہ شناسا میرا — تھا مگر خون کا پیاسا میرا
مجھ میں اور اُس میں عداوت گہری — ایک مُدّت سے چلی آتی تھی +
وہاں عداوت پہ گر آؤں اپنی — اور اصالت پہ نہ جاؤں اپنی
مارنا اُس کا نہ تھا کچھ دشوار — اِک اِشارے میں وہ تھا لقمۂ غار
آگیا مجھ کو مگر خوفِ خدا — اور پہلو سے یہ دی - دل نے صدا
مرتے کو مارنا بے دردی ہے — ہے بہت دُور جوانمردی سے
حوصلے کا ہے یہی وقت - کہ آج — ہے عدو اپنی مدد کا محتاج
جی میں یہ کہہ کے بڑھا جانبِ غار — کہ اسے کیجئے چل کر بیدار
وہاں سے جا اُسکو اُٹھا لایا مَیں — مَوت کی زد سے بچا لایا مَیں
مُونھ کو دامن سے مگر ڈھانک لیا — اُسکو شرمندۂ احساں نہ کیا

سُن کے دی باپ نے بیٹے کو دعا
پھر بڑے بیٹوں کو بُلوا کے کہا
داستاں جب یہ سُنی دونو نے
خانہ زادوں کی ہو تقصیر معاف
جِس جواہر کے طلبگار تھے ہم *
اور گو اُس کی ہوس ناحق ہے
باپ یہ سُن کے ہوا شاد بہت
چھوٹے بیٹے کو بلا کر پھر پاس
پھر جواہر اُسے دیکھ یہ کہا -

اور چھاتی سے لیا اُس کو لگا *
بولو - اب کِس سے ہوا کام بڑا؟
باپ سے عرض یہ کی - دونو نے
پوچھیے ہم سے تو ہے یہ اِنصاف
اُسکے لائق تھے نہ حقدار تھے ہم *
حق یہی ہے کہ - وہ اِسکا حق ہے
اُنکے اِنصاف کی دی داد بہت
پہلے خالق کا کیا شکر و سپاس
لو - یہ ہو تم کو مُبارک بیٹا *

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

حامداً و مصلیاً

# ترکیب بند موسوم بہ زمزمۂ قیصری

مرتبہ ۱۸۷۸ء

یہ نظم ایک انگریزی پوئم کے تین حصوں میں سے اول حصہ کا منظوم ترجمہ ہے۔ شاید مسٹر الیسٹوک اسکے مصنف ہیں جنہوں نے کرنل ڈیوس کے توسط سے جبکہ وہ دلی میں کمشنر تھے اس تمام پوئم کو دلی کے چند لائق آدمیوں سے فارسی میں نظم کراکر ولایت میں بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ فارسی نظم لکھے جانے سے پہلے صاحب کمشنر نے یہ پوئم اُردو میں ترجمہ کراکر نظم کرنے کے لیے میرے پاس بھیجی تھی۔ میں اُن کے حکم سے صرف پہلے حصہ کو اُردو میں نظم کرنے پایا تھا کہ مصنف نے فارسی میں نظم کرانا چاہا۔ میں نے بسبب علالت کے فارسی نظم سرانجام کرنے سے اپنی معذوری بیان کی۔ اور یہ کام اوروں کے سپرد ہو گیا۔ اس نظم کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہوں اور انگریزی سلطنت کا ذکر ہے۔ دوسرے اور تیسرے حصے میں تمام ہندوستانی رئیسوں کا جو دربار قیصری میں شریک ہوئے تھے عموماً اور حضور نظام کا خصوصاً تذکرہ ہے۔ مصنف نے پہلے حصہ میں بعض مسلمان بادشاہوں پر نکتہ چینی بھی کی ہے۔ ناظرین اسکو دیکھکر مجھ سے خوش یا ناراض نہوں۔ میرا صرف اتنا قصور ہے کہ میں نے اُن خیالات کو ایک ایسی زبان میں نظم کر دیا ہے جسکو میرے ہموطن عموماً سمجھ سکتے ہیں۔ اس نظم میں جہاں کہیں ضرورت نے نہایت مجبور کیا ہے اپنی طرف سے بھی کوئی بات اضافہ کر دی گئی ہے اور اکثر جگہ تمیز کے لئے اُسکو بریکٹ میں محدود کر دیا گیا ہے۔ باایں ہمہ ممکن ہے کہ اسکے علاوہ اور بھی کہیں کہیں کچھ اختلاف پایا جائے۔ لیکن جو لوگ انگریزی پوئم کے مشکل خیالات کو اُردو نظم میں بیان کرنے کی دقتوں سے بخوبی واقف ہیں اُن سے اُمید ہے کہ ایسی خفیف فروگذاشتوں سے چشم پوشی فرمائیں گے۔

(برمرقا)

# آغازِ نظم

اے حصارِ عافیت اے کشورِ ہندوستاں
زیب دیتا ہے اگر کہئے تجھے سارا جہاں

اِک طرف کھینچی ہے قدرت نے ترے دیوارِ کوہ
موج زن ہے ایک جانب تیرے بحرِ بیکراں

چوٹیوں پر ہے پہاڑوں کی وہ عالم برف کا
ہے سدا چھایا ہوا جس پر خموشی کا سماں

بحر میں ہوتا ہے اِک شورِ قیامت آشکار
جبکہ اُسمیں آکے گرتی ہیں ہزاروں ندّیاں

خوف باہر کا ہے تجھ کو اور نہ کچھ اندر کا فکر
(دستِ گلچیں نارسا و نخلِ دولت گلفشاں)

تونے فارغ کر دیا ہے فتحِ ملکِ غیر سے
پھر ضرورت کیا کہ کھولیں بے سبب تیرا نشاں

چل رہی ہے امن کی ہر سو ہوائے خوشگوار
(ہو نہ اب کہدو خزاں سے رخنہ اندازِ بہار)

اے مقدّس آریاورت آئی کیا تجھپر بلا
جس نے برہم یکدلی کو تیری برہم کر دیا

کوچ کر جاتا نہ تجھ سے گر وفاق اور اِتحاد
کون تھا جو تیری جانب آنکھ اُٹھا کر دیکھتا

تو کہاں اور اہلِ مغرب کے بھلا حملے کہاں
ہاں مگر نااِتّفاقی کی ملی تجھ کو سزا

گر تری اولاد میں ہوتا سلوک اور آشتی
لڑکھڑا جاتے قدم غیروں کے ہنگامِ وغا

گھاٹیوں میں آکے جب ہوتی فراہم تیری فوج
ہوش کھو دیتی سمِ اسپانِ ہندی کی صدا

بھاگنا بھی دشمنوں کو وہاں سے ہو جاتا محال
دیکھتے جب ہر طرف سے آمدِ سیلِ بلا

یا اطاعت کرتے اور لڑنے سے باز آتے وہیں
یا (اگر کرتے بہت ہمت تو) مر جاتے وہیں

ہند کا حق تھا کہ ہوتی مہر و اُلفت کی زمیں
قوم کے ہمدرد ہوتے اس مکاں کے سب مکیں

حیف جس مٹی سے اُگنا چاہیئے تھا نخلِ مہر
جم گیا آبِ ہوائے دہر سے وہاں تخمِ کیں

سر بسر تختے گُلِ خود رو کے جس جنگل میں تھے
(غور سے دیکھا تو پنہاں تھے درندے بھی وہیں

امن قائم تھا طلوع صبح کے آغاز میں
جتنا دن چڑھتا گیا ہوتا گیا غارت گزیں)

دیوتا جو آریا کے زعم میں فانی نہ تھے
فانیوں کی طرح یہاں آ کر رہے وہ بالیقیں

جنگ و خونریزی کے خود آ کر ہوئے وہ رہنما
ورنہ فتنہ کا قدم تک یہاں نہ آیا تھا کہیں

یک بیک آیا خلل امن و اماں میں ہر طرف
اِک تزلزل پڑ گیا ہندوستاں میں ہر طرف

مرحبا اے خطۂ ہندوستاں (صد مرحبا)
اِس خرابی پر بھی رُک کے تو نے حملے بارہا

جانتا ہے اِک جہاں اسکندرِ اعظم کا نام
چشمۂ حیواں پہ جسکو لیگیا بختِ رسا

تھا جہاں خوف اور سناٹا بشر کا سدِّ راہ
اور نیچر کے طلسموں میں خلل آیا نہ تھا

گہرے اور تاریک غاروں میں تھا آبِ زندگی
سایۂ ہیبت تھا جن پر سر بسر چھایا ہوا

گو ہوئی اُسکی رسائی چشمۂ حیواں تلک
پر نہ ہرگز تیرے سارے مرحلے طے کر سکا

جی میں جو حسرت تھی وہ آخر نہ نکلی ریہنہا
(دل میں جو ارماں تھا وہ دل کا دل ہی میں رہا)

دِقتوں نے فتح کی بے طرح گھبرایا اُسے
کام ہی مشکل تھا یا مُشکل نظر آیا اُسے

ک یہ شعر اپنی طرف اسلیے بڑھا دیا گیا ہے تاکہ بند کے پورے سات شعر ہو جائیں + حالی

جس جگہ ملتا ہے ستلج سے سبک رفتار بیاس
رہ گئیں فوجیں ٹھٹک کر اسکے وہاں ساحل کے پاس

بات سنتا تھا نہ کوئی کارواں سالار کی
کارواں در کارواں سالار کی ٹوٹی تھی آس

تھا کھڑا حیراں سکندر اور یہ کہتا تھا کہ بس
فتح ہند اک خواب تھا اور اسکی تھی تعبیر یاس

جب سکندر پھر گیا ہو یہاں سے بے نیل مرام
کون پھر ایسا ہی۔ آئے یہ عزیمت جسکو راس

بعد مدت پھر وہیں آئی امنڈ کر اک گھٹا[۵۱]
بیاس کے میداں میں جس سے چھا گیا خوف و ہراس

جائے حیرت ہے کہ وہ کشور کشائے[۵۲] نامور
پھر گیا لیکر جہاں سے اپنی فوج بیقیاس +

کر سکے کچھ وہاں نہ اس حملہ کے آگے اہل ہند
چھوڑ کر ندی بھری کشتوں سے بھاگے اہل ہند

پہلے اس فتح نمایاں سے بھی اکثر جنگجو
کر گئے یہاں آنکر تیغ آزمائی میں غلو

ندیاں جو راہ میں حائل تھیں انسے بارہا
حملہ آور اترے اور پڑتے رہے رن سو بسو

وہ نشاں جنکی چمک تھی بے بقا مثل شہاب[۵۳]
گہہ نظر آئے اٹک پر اور ستلج پر کبھو

۵۱ اس سے مراد انگریزی فوج کا حملہ ہے جو ۱۸۴۶ء میں پنجاب پر ہوا +

۵۲ یعنی سکندر اعظم +

۵۳ یعنی جن کے جھنڈوں کے پھریروں کی چمک شہاب ثاقب کی مانند بے بقا اور ناپائدار تھی اور جو ہندوستان پر حملہ کرکے محض ناکام یا چند روز شمالی ہند پر حکومت کرکے واپس چلے گئے +

رفتہ رفتہ سرزمینِ گنگ تک پہنچا ہر اِس
دھار میں گنگا کی وہ ہتیار چمکے سر بسر
ناگہاں جہلم پہ چمکی آن کر سِتھیا کی آگ[۱۳]

آگے ٹھہرا پہلے مینڈر[۱۵] کنارِ آب جو[۱۲]
(یعنے گنگا کے کنارے)
ہند تک یونان سے جو پہنے آئے تھے لہو
اور پھر کرتی رہی آہستہ آہستہ نمو

پہنچی جب گنگا کے لگ بھگ بیاس اور ستلج کو پھاند
ہوگئے یونان کے ہتیار آگے اُس کے ماند +

[۱۵] مینڈر یونان کے سمو تھیر خاندان کا ایک مشہور بادشاہ ہے۔ یہ خاندان سکندر اعظم کے بعد ملکِ باختر یعنی خراسان وغیرہ میں غالباً حضرت عیسیٰؑ سے دو سو برس پہلے مسلط ہوگیا تھا۔ مینڈر نے جیسا کہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے ہندوستان پر ۱۸۱ قبل مسیح سے ۱۶۱ قبل مسیح کے درمیان حملے کئے ہیں اُس نے جنوب میں سندھ اور کچھ تک اور مشرق میں متھرا تک فتح کر لیا تھا +

[۱۳] بحرِ اسود اور کوہِ قاف اور بحیرۂ کیسپین کے شمال میں جو وحشی قومیں آباد تھیں قدیم زمانے میں اُنکو سِتھیا والے کہتے تھے اب وہ تمام ممالک یوروپین روس اور ایشیائی روس میں شامل ہیں۔ سِتھیا والوں کے حملے حضرت مسیحؑ سے سو برس پہلے شروع ہوگئے تھے۔ اِن وحشیوں کے غول کے غول ہندوستان پر چڑھ آتے تھے۔ اور لوٹ مار کر کے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح کی ولادت سے چند سال بعد کشمیر کے قریب اُنکی زبردست سلطنت قائم ہوگئی تھی۔ اُن کا سب سے زیادہ مشہور بادشاہ کنشکا ہے جس نے بودھ مذہب کی چوتھی کونسل منعقد کرائی۔ شمالی ایشیا میں جو بودھ مذہب کی شکل ہے وہ اسی کونسل کا نتیجہ ہے سِتھیا کی آگ سے غالباً اُنکی جہانسوزی و تاخت و تاراج مراد ہے۔ جیسے کہ بایزید عثمانی کو ایلدرم کہا گیا ہے اور عرب کی فتوحات کو برق سے تشبیہ دیگئی ہے

پھر ہوا اسلام کے اقبال کا تارا بلند
وہ مسلمانوں کے حق میں ابر رحمت تھا مگر
وہ پہنچتا تھا جہاں ہوتی تھی وہاں آفت بپا
غش پہ غش آتے تھے ہر ذی روح کو بیم سے وہاں
روندتا تھا جسکو وہ کھیتی نہ ہوتی تھی ہری
خوف تھا دل میں خدا کا اور نہ کچھ بندوں پہ رحم

جانبِ ہندوستاں محمودؔ نے ہانکا سمند
ہندوؤں کے دل پہ ہے اُسکے ستم سے دردمند
اور چلتا تھا جلو میں اُسکے آسیب و گزند
سانس لیتا تھا جہاں وہ اژدہا کے زورمند
صلح سے بجھتا نہ تھا ہوتا تھا جو شعلہ بلند
قتل اور تاراج تھا اک بازی سلطاں پسند

جب وہ آیا تھا تو سرتا پا گلستاں تھا یہ ملک
جب گیا یہاں سے تو مثلِ دشت ویراں تھا یہ ملک

۱؎ انگریزی مؤرخوں اور شاعروں کو جب یہ منظور ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی رحمدلی اور انسانی ہمدردی پہ فریفتہ اور مسلمانوں پر غضبناک اور افروختہ کریں تو وہ محمودؔ غزنوی اور تیمورؔ وغیرہ کی سختی اور تشدد کو خوب چھڑک چھڑک کر جلوہ گر کرتے ہیں جس طرح اِس بند میں محمودؔ کی بے رحمی اور ظلم کا بیان کیا گیا ہے۔ اِسی طرح ایک اور انگریز نے اُسکی شان میں کچھ اشعار لکھے ہیں جن کا اُردو ترجمہ یہ ہے

## نظم

اے ملکِ زرنگار (یعنے ہندوستان) قدم ہے وہ کونسا
وہ تیرے قصر اور ستون دار سائباں +
ٹھاکر اور اُنکے مندر - راجا اور اُنکے تخت
پُتلا غضب کا کونسا وہ ہولناک ہے
آتا ہے لوٹتا ہوا اِس بزم گاہ میں۔

ہلے سے جسکے ہے ترے ارکاں میں زلزلہ
معبد وہ جو پہاڑوں کے غاروں میں ہیں نہاں
حملے سے اُسکے آ کے پڑا سب پہ وقت سخت
اُسے ملکِ زرنگار وہ غزنیں کی خاک ہے
پھرتے ہیں بکھرے تاج بہت اُسکی راہ میں

| | |
|---|---|
| کُتّے جو اُسکے ساتھ شکاری ہیں بے شمار | اُنکے گلوں میں ہیں وہ جواہر نگار ہار |
| بے رحم فوج لائی ہے جو لُوٹ مار کر | مقتول رانیوں کے گلے سے اُتار کر |
| کرتا ہے قتل لڑکیوں کو وہ گھروں کے بیچ | اور بے گُنہ پوجاریوں کو مندروں کے بیچ |

اگرچہ اِن دونو شاعروں نے محمود کے تشدّد کو بہت مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ مُسلمانوں کے لیئے اُنکے بعض بادشاہوں کی ظالمانہ کارروائیاں گو وہ کیسی ہی تاریکی اور وحشت کے زمانہ میں کی گئی ہوں ہمیشہ باعثِ شرم وندامت رہینگی۔ لیکن ہم پُوچھتے ہیں کہ آیا دنیا میں کوئی ایسی قوم ہے جو اِس دھبّے سے پاک ہو؟ یوروپ کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یوروپ کی شائستہ قومیں جو آج اپنے سوا تمام دنیا کی قوموں کو وحشی یا نیم وحشی کا خطاب دیتی ہیں محمود کے زمانہ میں بلکہ اُسکے بعد کئی صدیوں تک ایشیا سے بمراتب زیادہ وحشت خونریزی و بیرحمی میں مُبتلا تھیں۔ اور اگر انصاف سے دیکھا جائے۔ تو بنی نوع انسان کی دو خصلتیں نہ کبھی بدلی ہیں نہ آئندہ بدلنے کی اُمید ہے۔ ایک طمع اور خود غرضی۔ دوسرے زبردستوں کا زیردستوں کو دلنا اور پیسنا۔ جس طرح مگرمچھ مچھلیوں اور مینڈکوں کو یا شیر اور چیتیا ہرن اور نیل گائے کو نوش جان کرتا ہے اسیطرح جو انسان قوی اور زبردست ہیں وہ ضعیف اور کمزور انسانوں کے شکار کرنے سے کبھی درگذر نہیں کرتے۔ سولھویں صدی کو جسمیں اہل یوروپ امریکا میں جاکر آباد ہوئے کچھ بہت زمانہ نہیں گذرا۔ اِس صدی میں یوروپ کی بعض قوموں کے ہاتھ سے امریکا کے اصلی باشندوں پر کونسا ظلم اور کونسی بے رحمی ہے جو روا نہیں رکھی گئی میکسیکو اور پیرو جوکہ امریکا کے دو شائستہ ملک تھے وہاں کے مفتوحین پر جو وحشیانہ ظلم ہسپانیہ والوں نے کیئے۔ اُنکی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی + کورٹیز جوکہ ہسپانیہ کا رہنے والا اور میکسیکو کا فاتح تھا اُس نے اور اُسکے بعد نئے وارد ہونیوالے جرنیلوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ میکسیکو کو قاطبۃً ویران کر دیجے اور وہاں ہسپانیہ کی ایک کولونی آباد کیجے۔ چنانچہ جہاں تک اُن سے ہوسکا

وہاں کے قدیم باشندوں کے نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا +

**کورٹیز** نے میکسیکو کے شاہنشاہ **مونٹی زوما** کو گرفتار کرکے اُلٹا لٹکا دیا اور اُسکی رعایا کو اُسکی آنکھ کے سامنے جلایا اور قتل کرایا - بڑے بڑے الاؤ لگے ہوئے تھے جن میں ہزارہا بنی آدم عام طور پر بے تکلف جلائے جاتے تھے - معصوم بچّوں کے روبرو اُنکی مائیں اور باپ بہزار عقوبت و سختی آگ میں جھونک دیئے جاتے تھے - دیہات اور جنگلوں میں ہزاروں آدمی شکاری کتّوں سے پھڑوا دیئے جاتے تھے - یہ سپانیہ کے وہی مقدّس اور بے عیب عیسائی تھے جنھوں نے کافروں یعنے مُسلمانوں کو غرناطہ سے ایک ناپاک اور گنہگار قوم ہونے کا اِلزام لگا کر نکالا تھا - اور جن کا قول تھا کہ ظالم اور بددین مُسلمان اِس لائق نہیں ہیں کہ فرشتہ صفت عیسائیوں کے ہمسائے اور ہموطن ہوکر رہیں - اندازہ کیا گیا ہے کہ تقریباً ایک ملین بنی آدم اِن مقدّس عیسائیوں کے ہاتھ سے طرح طرح کی عقوبت اور سختی کے ساتھ مارے اور جلائے گئے - یہی حال کچھ دنوں بعد پیرو کو ہوا - یہ مُلک جنوبی امریکہ میں بحرالکاہل کے کنارہ پر واقع ہے **فرینسسلو پزیرو** کہ غالباً اٹلی کا رہنے والا ایک مجہول النّسب آدمی تھا - اُسکو جنوبی امریکا میں فتوحات کرنے اور وہاں سے سونا چاندی رولنے کا مُدّت سے خیال تھا اُس نے **پناما** یا اُسکے قریب کسی اور مقام میں ایک جماعت کو اِس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بیڑا جہازوں کا اور کچھ سپاہ اُسکے ماتحت **پیرو** کو جسکے تموّل کی بہت شہرت تھی روانہ کریں - چنانچہ اِس سامان کے ساتھ وہ وہاں پہنچا اور ایک دو پھیرے کے بعد اُس مُلک پر قابض ہوگیا پھر تو کوئی ظلم و تعدّی ایسی نہ تھی جو پیرو کے اصلی باشندوں پر جائز نہ رکھی گئی ہو اُن سے سونا اور چاندی چھین چھین کر اپنے مُلک کو بھیجتا تھا - ہزاروں بندگان خدا اُسکے ظلم و ستم سے مُلک چھوڑ چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے جہاں وہ آخرکار فاقے کر کر کے مرجاتے تھے

اور ہزاروں قتل کرائے جاتے تھے۔ تمام مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ ایسی بے رحمی کبھی دنیا میں نہیں ہوئی۔ انگریزوں کا بیان ہے کہ آسٹریلیا کے قدیم باشندوں پر بہت سختی نہیں کی گئی۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو وہاں سختی کی کچھ ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ بیچارے اِس درجہ ناہموار۔ بے ڈول اور ناشایستہ تھے کہ انگریزی فاتحوں کی صورتیں رٹیپ ٹاپ ورچمک دمک دیکھ کر شرم کے مارے زمین میں گڑے جاتے تھے اور کسی طرح ممکن نہ تھا کہ اُنکے پڑوس میں رہ سکیں۔ جسقدر انگریزی مہاجروں کی تعداد آسٹریلیا میں بڑھتی گئی وہ لوگ ملک کے اندرونی حصے میں غائب ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ وہیں معدوم ہوگئے۔ اب شاذونادر کہیں کہیں اندرونی پہاڑوں کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں۔ تسمانیہ کے قدیم باشندے جو ایک خوش بشرہ مگر آن سویلائزڈ قوم تھی یوروپ والوں کی ہمسایگی کے باعث بالکل فنا ہوگئی۔ یہاں تک کہ اب ایک متنفس بھی اُنکی نسل کا باقی نہیں۔ پس آسٹریلیا کے قدیم باشندے جو انڈومان والوں سے بھی زیادہ بدقوارہ اور ناشایستہ تھے انگریز جیسی اعلیٰ درجہ کی شایستہ قوم کے پڑوس میں کیونکر ٹھہر سکتے تھے + بیت

توبجلوہ چوں درآئی۔ اجل از پیٔ ترحّم + ہمہ جا کند منادی پئے احتراز کردن

اگر فی الواقع انگریزوں نے آسٹریلیا والوں پر سختی نہیں کی تو یہ اُنکی عین دانائی تھی کہ اُنھوں نے مفت کی بدنامی نہیں لی۔ اور تمام براعظم اُنکے لئے خودبخود خس و خاشاک سے پاک ہوگیا + بات یہ ہے کہ دنیا کے ایک بہت بڑے حصے نے علم و ہنر میں اسقدر ترقی کی ہے اور وہ دوسرے حصہ کے ابنائے جنس سے اسقدر آگے بڑھ گیا ہے کہ اگلے زمانہ کے فاتح اور کشورکشا جن ناجائز ذریعوں سے مفتوحین کی دولت و ثروت اور سلطنت کے مالک ہوتے تھے اُن ذریعوں کے کام میں لانے کی اب مطلق

ضرورت نہیں رہی جسقدر مال و دولت پہلے قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ سے حاصل کیا جاتا تھا اُس سے اضعاف مضاعف اب صنعت و تجارت کے ذریعہ سے خود بخود کھچا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب دو ایسی گورنمنٹوں کے درمیان جن میں سے ایک شائستہ اور دوسری ناشائستہ ہو تجارتی عہدنامہ تحریر ہو جاتا ہے تو یہ یقیناً سمجھ لیا جاتا ہے کہ شائستہ گورنمنٹ بغیر اسکے کہ ہلدی لگے یا پھٹکری دوسری گورنمنٹ کے تمام ملک و دولت و منافع و محاصل کی بالکل مالک ہوگئی۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے

## ابیات

نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن ✤ حذر! اُس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی

نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے لوٹنے گلشن ہیں ✤ یہ گلچینی ہے یا لٹس ہے گلچیں! یا ہے قزاقی

شاید ان شعروں میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اسمیں شک نہیں کہ جو نتیجہ اگلے زمانہ کے غارتگروں کی لوٹ کھسوٹ سے مترتب ہوتا تھا اُسی نتیجہ کے قریب قریب یہ شائستہ لوٹ بھی پہنچا دیتی ہے۔ کروڑوں اہل صنعت و حرفت جن کی دستکاری مکینکس کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نانِ شبینہ کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ فلاحت پیشہ لوگوں پر یہ بپتا پڑتی ہے کہ زمین کی پیداوار جسقدر کثرت کے ساتھ غیر ملکوں کو جاتی ہے اُسیقدر ملک میں زیادہ کاشت کا تردد کیا جاتا ہے اور اس سبب سے روز بروز زیادہ لاگت لگانی پڑتی ہے اور محنت کا کافی معاوضہ نہیں ملتا۔ یہ پولیٹیکل اکونمی کا مسلّم مسئلہ ہے کہ قدرتی پیداوار کی جسقدر زیادہ مانگ ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُسکے بہم پہنچانے میں زیادہ لاگت اور زیادہ محنت صرف ہوتی ہے اور مصنوعی چیزوں کی جسقدر زیادہ طلب ہوتی ہے اُسیقدر اُن پر لاگت کم آتی ہے اور کم محنت صرف ہوتی ہے۔ ملکی تاجروں کے لئے جو کہ شائستہ ملکوں کی مصنوعی چیزوں کی تجارت کرتے ہیں۔ اول تو اوپر والے منافع کی کچھ گنجایش ہی نہیں چھوڑتے۔ اور اگر قدر قلیل

(جیسے آٹے میں نمک) کچھ فائدہ ہوتا بھی ہے تو اپنے ملک کی نہایت ضروری اور ناگزیر اشیاء کا نرخ
گراں ہونے کے سبب اُنکی کمائی میں سے بہت کم پس انداز ہوتا ہے اور جسقدر ہوتا ہے وہ غیر ملکوں
کی آرائشی اور غیر ضروری چیزوں کے خریدنے میں جو باوجود کمال نفاست اور لطافت کے نہایت
ارزاں دستیاب ہوتی ہیں صرف ہو جاتا ہے۔ پس اُنکو بھی فارغ البالی اور آسودگی کبھی نصیب
نہیں ہوتی۔ اور اگر سو دو سو میں دو چار ایسے نکل بھی آتے ہیں جو اپنے مُلک میں مُرفہ الحال سمجھے
جاتے ہیں اُنکا معاملہ اور لین دین اُن کروڑپتیوں سے ہوتا ہے۔ جن کے مقابلہ میں وہ اپنے تئیں
محض مُفلس اور قلاّش تصوّر کرتے ہیں اور جنکی مانگ کے خوف سے ہمیشہ دوالہ نکلجانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ طمع اور خود غرضی اور زبردستوں کا زیردستوں کو دلنا اور پیسنا جیساکہ تاریکی اور وحشت
کے زمانہ میں تھا اُسی کے قریب قریب اب بھی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ دولت گھسیٹنے کے لئے پہلے
جبر و تعدّی کی ضرورت تھی۔ اب اُسکی کچھ ضرورت نہیں رہی۔ اَن سویلائزڈ دنیا کی دولت سویلائزڈ
دنیا کی طرف خود بخود کھچی چلی جاتی ہے۔ ایک اژدہا شیر کو بہت بُرا بھلا کہہ رہا تھا کہ تو کیسا بے رحم ہے
کہ ہمیشہ جانداروں کا خون پینے کی فکر میں رہتا ہے۔ اور شکار کی دُھن میں دُور دور کے دھاوے
کرتا ہے۔ تمام جنگلوں میں تیری دھاک ہے۔ آج اِس ہرن کو پھاڑ ڈالا۔ کل اُس پاڑھے کے
ٹکڑے اُڑا دیے۔ ایسی خونخواری پر کمر باندھنی اچھی نہیں ہے۔ شیر نے کہا قبلہ! اگر میرے سانس
میں بھی ایسی کشش ہوتی کہ دُور دُور سے جانور خود گھسٹے ہوئے میرے مونھ میں چلے آتے اور
میری حرص و آواز کی آگ کو بجھا دیتے تو میں بھی ہرگز کسی بے گناہ کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نکرتا
مع ذلک اگر آزادی تجارت میں کوئی مزاحمت پیش آتی ہے اور بغیر جبر و تعدّی کے کام نہیں چلتا

( الہ وپا

تو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوم سب کچھ کرنے کو موجود ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آزادی تجارت کی مزاحمت رفع کرنی عین انصاف ہے۔ حالانکہ آج تک پولیٹکل اکونمی نے اسبات کا تصفیہ نہیں کیا۔ کہ فری ٹریڈ کا قاعدہ مطلقاً قرین انصاف ہے۔ یا خاص خاص صورتوں میں خلاف انصاف بھی ہو سکتا ہے +

انگلینڈ کا فائدہ فری ٹریڈ میں ہے اسلیئے وہ اسی کو عین انصاف سمجھتا ہے۔ فرانس اور یونائیٹڈ اسٹیٹس اُسکو اپنے حق میں بالفعل مضر سمجھتے ہیں۔ اسلیئے وہ اسکو جائز نہیں کہتے لیکن انصاف شرط ہے۔ جن حکمتوں اور تدبیروں سے آجکل دنیا کی دولت گھسیٹی جاتی ہے اُن پر بخلاف اگلے زمانہ کی جابرانہ لوٹ کھسوٹ کے کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا +

مشہور ہے کہ حکیم علوی خاں کے زمانہ میں جو کہ محمد شاہ کا معالج اور ایک نہایت حاذق طبیب تھا ایک عطّار بھی اُسکے نسخے دیکھتے دیکھتے علاج کرنے لگا تھا۔ لوگوں نے اُسکا ذکر علوی خاں کے سامنے بھی کہا اور یہ کہا کہ جس قدر مریض آپکے علاج سے اچھے ہوتے اور مرتے ہیں اُسی کے قریب قریب اُس کے علاج سے اچھے بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ علوی خاں نے کہا "بیت۔ لاکن من بقاعدہ مے کُشم وآں قرم ساق بے قاعدہ مے کُشد + حالی ۱۲

آخر اے دانا حکیمو کچھ سبب اسکا بتاؤ
ہے بنی آدم کو کیوں قتلِ بنی آدم کا چاؤ

جبکہ حق اور راستی ہی خاصہ رحمانی صفت
پھر تعجب ہے کہ جباری کا ہو اسمیں لگاؤ

جبکہ ہے سرچشمہ مہر و محبّت ذاتِ حق
پھر نہ مانی جائی کیوں اسکی شریعت بے دباؤ

کیا یہ زیبا ہے؟ کہ دینِ حق کو اے ابناءِ جنس
زور سے منواؤ تم اور ندیاں خوں کی بہاؤ

ق

یا یہ بہتر ہے کہ سچی دوستی اور پیار سے
اور اُن باتوں سے تمہیں جلوہ اُلفت کا دکھاؤ

دل کرو اہلِ جہاں کے پہلے تسخیر اور پھر
حکم پھیلاؤ خدا کے اور یقیں اُن پر دلاؤ

راہِ حق کا خار و خس سے پاک ہونا چاہیئے
گلشنِ دیں بے خس و خاشاک ہونا چاہیئے

خار ہی خار آتے ہیں مدت سے لیکن یہاں نظر
خون ہے اُستاد[1] اور شاگرد دونو کا ہدر

راستی اور امن کی دیتے ہیں جو تعلیم یہاں
راحت اور آرام کو کھوتے ہیں اپنے سر بسر

اور لینی چاہتے ہیں اس طرح تعلیم جو
وہ زمانہ کے ستم لیتے ہیں اپنی جان پر

بات حیرت خیز ہے پر شک نہیں اسمیں ذرا
نخلِ شادی آنسوؤں کے نم سے لاتا ہے ثمر

دمبدم سیراب اگر خونِ شہیداں سے نہو
رہ نہیں سکتا ہرا دنیا کی راحت کا شجر

بے شہادت پل نہیں سکتی حیاتِ شہرِ ہدیٰ
موت ہے درِ زندگی کا اور الم بابِ ظفر

غیر کے زخموں پہ ہرگز رحم ہم کھاتے نہیں
آپ جب تک زخمِ کاری کا مزا پاتے نہیں

[1] استاد اور شاگرد کی تشریح نیچے کے دو شعروں میں کی گئی ہے +

اے جلال الدین ہے، تو ہی وہ شاہِ نامدار — صلحِ کل جسکی زمانہ میں رہیگی یادگار

بسکہ آزادی ہی نوعِ بشر کو تو نے دی — رائے پر ہر شخص کی چھوڑا عقیدے کا مدار

فہم سے ہندوؤں کے بالاتر تھے جو اسرارِ دیں — بحث کرنے کا ملا ہندوؤں کو ان میں اختیار

حوصلہ نکلا ترا شاہانِ پیشیں سے وسیع — تجھسے القابِ شہنشاہی نے پایا اعتبار

پر تری اولاد نے کی پیروی تیری نہ حیف — ہو گیا اُنکا تعصّب خود گلے کا اُنکے ہار

ثمرہ آخر مل گیا اُنکے تعصّب کا اُنھیں — کر گیا رحلت جہاں سے جلد اُنکا اقتدار

خار و خس کے ڈھیر ہیں کھنڈروں میں اُنکے آج واں
دولتِ روئے زمیں کل جلوہ آرا تھی جہاں +

ق ۱ — خیر اُنکے ذکر سے اب کیجئے قطعِ نظر — خوبیاں تھیں عہد میں اُنکے نہ لیکن اسقدر

۲ — امن و راحت۔ اتفاق اور برکتیں انصاف کی — ملک افزائش سے ہو جنکی بدولت بہرہ ور

۳ — اور رعیّت کی اطاعت جو نہ مجبوری سے ہو — بلکہ جسمیں ہے رغبت اور اخلاص ہو خود جلوہ گر

۴ — نعمتیں ہندوستاں کی یہ ہوئیں اُس دم نصیب — چھا رہی تھی جبکہ مایوسی لبوں پر سر بسر

۵ — امن و راحت کا تصوّر تک نہ آتا تھا کبھی — جائے حق ناحق کا سکّہ چل رہا تھا بےخطر

۶ — دیکھکر آخر بدی کا دَور دورہ نیکیاں — ہو چکی تھیں یہاں سے رخصت آہ ٹھنڈی کھینچکر

اُس اندھیرے میں اُجالا ناگہاں پیدا ہوا
چشمۂ حیواں کا ظلمت میں نشاں پیدا ہوا

کیا مرہٹے۔ کیا مغل۔ سادات کیا۔ افغان کیا — عہد میں سب کے رہی یہاں بارشِ ابرِ بلا

علم۔ فن۔ جرأت نکوئی مٹ گئیں سب خوبیاں
یاس سے حالت عجب اک ہند پر طاری ہوئی
ناخداؤں کے بجا تھے اور نہ ملاحوں کے ہوش
بے طرح چھایا ہوا تھا ابرِ ظلمت چارسُو
کوندتا بجلی کا تھا گویا کہ جگنو کی چمک

دمبدم طوفاں بدی و عیب کا بڑھتا رہا
بحرِ بے پایاں میں گویا سخت طوفاں تھا بپا
اور جہازِ عافیت تدبیر کے بس کا نہ تھا
کوکبِ رہبر کا ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا پتا
اک جھلک آئی نظر اور پھر اندھیرا چھا گیا

جو کہ بزدل تھے وہ غش کھا کھا کے گرتے تھے وہاں
اور جی چھوڑے ہوئے تھا ہر جری اور سورماں

ڈوبنے کے جب نظر آنے لگے آثار سے
آگے انگلستان نے طوفاں کو للکارا کہ بس
مدتوں کی سختیوں سے ملک چھوٹا یک قلم
اہلِ ہند اور اہلِ مغرب اصل میں سب ایک تھے
گو رہے چندے جدا۔ پر مل گئے انجام کو
اہلِ مغرب کو نہ سمجھیں غیر ہرگز اہلِ ہند

تب نجات آئی یہاں ساتوں سمندر پار سے
باز رہ اے فتنہ اپنی گرمیٔ رفتار سے
ہند کو اپنوں[1] نے دی آکر نجاتِ اغیار سے
کچھ دنوں بچھڑے رہے پر گردشِ ادوار سے
کلفتیں بدلی گئیں فرقت کی آخر پیار سے
(آئینہ اور سنگ دو نو نکلے ہیں کہسار سے)

اب نہ چھوڑیگا یقیں وہموں کی لڑ کاٹے بغیر
دوستی رہتی ہے کب نفرت کی جڑ کاٹے بغیر

دہریوں کا فرقۂ لاالعقل و کوتاہ بیں   ق   اپنی کجرائی سے جو تقدیر کا قائل نہیں

[1] اپنوں سے مراد مغربی آریا یعنی انگریز اور اغیار سے مراد مسلمان ہیں +

| | | |
|---|---|---|
| اب ہیولے کو نہ سمجھے مصدرِ کل کائنات | ۲ | اتفاق دہر پر رکھے نہ بنیادِ یقیں |
| ورنہ ہم پوچھینگے اُس سے کس طرح اک اتفاق | ۳ | یا ہیولے - لیگیا مغرب سے تا مشرقِ زمیں |
| کچھ جہاز اور چند سوداگر - تجارت کے لیئے | ۴ | تاکہ ہوں پردیسیوں کی طرح وہاں جاگزیں |
| اور پھر اُس کشور آباد پر قابض ہوں وہ | ۵ | ایک مدت تک ہا مغلوں کے جو زیر نگیں |

کیا یہ سب کچھ اتفاقاً - ہوگیا اے اہل رائے؟
یا مشیت نے تماشے اپنی قدرت کے دکھائے

ایسے ہذیاناتِ بیجا سے یہ بہتر ہے کہ ہم
گو اک افسانہ ہے لیکن ہریوں کے قول سے
اہلِ انگلستاں کا آنا سمندر پار سے
زندگی جو اُس سے اہلِ ہند کو حاصل ہوئی
اب رہا وہ زہر جس سے حلق شیو کا جل گیا
جس سے ہوگی سحر اگلے دیوتاؤں کی نمود

مان لیں سُر اور اَسُر کی داستاں بے بیش و کم
اُسمیں کچھ باتیں زیادہ دلنشیں پاتے ہیں ہم
ہے سمندر کا بلونا فی المثل اے محترم
ہے وہ امرت جو کہ پہنچا ہے سمندر سے بہم
یہ وہی حق ہی کہ جو ہے واسطے باطل کے سم
اور ہونگے ہاتفانِ غیب گونگے یک قلم

جو مٹائے جائیگا باطل کی ظلمت کے نشاں
صبحِ صادق کی نہ ہوگی روشنی جبتک عیاں

ملہ سُر دیوتا کو اور اسُر راکشس کو کہتے ہیں - مہابھارت میں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں ایکبار دیوتاؤں اور راکشسوں کی لڑائی ہوئی تھی - جس میں دیو فتحیاب ہوئے اور راکشس ہارے - راکشسوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم باوجودیکہ دیوتاؤں سے قوی اور زبردست ہیں پھر کیوں ایسے مغلوب ہوگئے - آخر

یہ معلوم ہوا کہ اِن کے پاس علم یعنے منتروں کی طاقت ہے۔ راکشسوں نے اُنکے منتر اور کتابیں چرالیں اور ایک راکشس سنکھاسُر نام اُن سب کو لیکر سمندر میں غائب ہو گیا۔ **ایشور** نے جو یہ حال دیکھا خود مچھلی کا رُوپ بھر سنکھاسُر کو سمندر میں جاکر ہلاک کر دیا اور دیوتاؤں کے سارے منتر اور پستکیں صاف نکال لائے۔ ایشر جی کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ سمندر میں اور بھی بہت سے رتن یعنی مُفید اور نایاب چیزیں ہیں اُنکو نکالنا چاہیئے۔ اُنھوں نے کہا کہ میں کچھوا بنتا ہوں میری پیٹھ پر رئی کی جگہ ہمالیہ پربت کو رکھدینا۔ اور تسمہ کی جگہ باسگی (سانپ کا نام ہے) کو ہمالیہ کے گرد لپیٹ کر اُس کے دونوں سرے سُر اور اَسُر اِس طرح سے پکڑیں کہ سانپ مُونھ کی طرف سے سُروں کے اور دُم کی طرف سے اُسُروں کے ہاتھ میں رہے اور اِس طرح سمندر کو بلو ڈالیں۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ سمندر میں سے چودہ رتن یعنی لچھمی۔ جواہر۔ شراب۔ دھنتر بید۔ چاند۔ گئو۔ گھوڑا۔ سفید ہاتھی۔ تیر کمان۔ اِمرت اور بِس وغیرہ برآمد ہوئے۔ اِمرت پر سُروں اور اُسُروں کے باہم تکرار ہو گئی۔ اُنھوں نے کہا ہم لیں! اُنھوں نے کہا ہم لیں۔ ایشر ایک حسین عورت کا رُوپ بھر کر اُن پر ظاہر ہوئے۔ دیوتا اور راکشس دونو اُسکی صُورت پر فریفتہ ہو گئے۔ اور آپس میں یہ بات قرار دی کہ یہ عورت جسکو جو کچھ دے وہ اُسکو خوشی سے لیلے۔ چنانچہ اُس عورت یعنی ایشر نے ایک لچھمی تو اپنے واسطے رکھ لی اور باقی تمام رتن دونو فریق میں تقسیم کر دیئے۔ اِمرت سُروں کے حصے میں آیا تھا مگر تھوڑا سا تقسیم ہونا باقی تھا کہ ایک راکشس اُٹھا کر پی گیا دیوتاؤں میں سے ایک نے اُس کا سر اُڑا دیا۔ لیکن بِس کو کسی نے لینا قبول نہ کیا۔ شیو یعنی مہادیو جی نے کہا لاؤ اسکو میں کھا جاؤں وہ اسکو کھا تو نہ سکے مگر اپنے کنٹھ یعنے حلق میں رکھ لیا جسکے سبب سے اُنکا گلا نیلا پڑ گیا

(۲۸)

| | |
|---|---|
| ہند میں پہلے کبھی جو سلطنت یکسو نہ تھی | اسکو امرِ اتفاقی جاننا ہے ابلہی |
| یہ بھی کہنا غیر ممکن ہے کہ تھی اسلاف میں | تجربہ کی عقل کی تدبیر و جرأت کی کمی |
| ہاں مگر تقدیر پر ہے جبکہ ہر شے کا مدار | چاہئے کہنا کہ تقدیرِ الٰہی تھی - یہی |

شاعر اِس بند میں قصۂ مذکور کی طرف اشارہ کرتا ہے - وہ کہتا ہے کہ برٹش حکومت کا ہندوستان میں قائم ہونا اِس قصہ کا مصداق ہے - گویا انگریز مثل دیوتاؤں کے ہیں جو اپنے علم کی طاقت سے راکشسوں یعنی ہندوستان کے لٹیروں اور پنڈاروں اور ظالم حکمرانوں پر غالب آئے - اور وہ جو انگلستان سے کئی سمندر طے کر کے ہندوستان تک پہنچے - یہ گویا سمندر کا بلونا تھا اور اُنکی سلطنت سے جو زندگی یعنی امن و رفاہ و آزادی اور جان و مال کی حفاظت ہندوستان کو حاصل ہوئی - یہ وہ امرت ہے جو سمندر سے برآمد ہوا - اور جس زہر سے کہ مہادیو جی کا حلق جل گیا یا نیلا پڑ گیا تھا اُس سے خود انگریزی سلطنت کو مثال دی ہے - مطلب یہ کہ جس طرح حق باطل کے واسطے زہر ہے اِسی طرح یہ سلطنت قدیم سلطنتوں اور اُن کی طرز حکومت کے حق میں زہر ہلاہل کا حکم رکھتی ہے - اِس سے اگلے دیوتاؤں یعنی قدیم بادشاہوں کی حکمرانی کے طریقے اور قاعدے سب محو ہو جائیں گے - اور اُن کی تائید میں جو غیب سے آوازیں آتی تھیں وہ بند ہو جائیں گی - اور جب تک کہ ہندوستان میں صبح صادق یعنی علم اور شائستگی کی روشنی نمودار ہوگی برابر قدیم زمانہ کی تاریکیوں کو یہ سلطنت محو کرتی رہیگی ۱۲ حالی

اکبر اور شاہِ جہاں کی ذات میں کیا کچھ نہ تھا
سلطنت کی جو لیاقت چاہیے وہ اُنمیں تھی

دھاک نادر شاہ کی بھی کم نہ تھی تیغوں سے کچھ
فتح اُنکی - پر نہ اپنی حد سے آگے بڑھ سکی

آج یہ صوبہ پھرا - کل ملک وہ باغی ہوا
عہد میں سب کے یہی نقشہ یہی صورت رہی

دُور تھا وہ دن کہ سر ہوں ایک در پر سب کے خم
ہند کی فوجیں ہوں ساری زیرِ سلطانی عَلَم

راج پر راجہ اَشوکا کے ہیں وہ لاٹھیں گواہ
جن پہ فرماں اُسکے اب تک ثبت ہیں بے اشتباہ

ہند میں از بسکہ یہ لاٹھیں گڑی ہیں دُور دُور
ہے ہویدا اِنسے اُسکی وسعتِ تمکین و جاہ

پر نشانِ فتح جو اول پلاسی میں گڑا
اور پھر کابل میں پہنچی چرخ تک اُسکی کلاہ

مدتیں گزریں کہ وہ اُتر سے لیکر تا دکن
کر چکا ہے حد سے ان لاٹھوں کی بڑھ کر قطعِ راہ

پورب اور پچھم میں بھی ڈالا ہے اُس نے دور دُور
سایۂ عدل و نکوئی پرتوِ امن و رفاہ

ہم نے یہ مانا کہ پتھر پر ہیں کندہ جو حروف
وہ رہینگے منقش اُس پہ ہزاروں سال و ماہ

نام ہے وکٹوریا کا اُنسے بڑھ کر پائدار
نقش ہر اک صفحۂ دل پر ہے جس کا اُستوار

مشرقی تاج آجتک تھا بخششِ ربِّ ذوالمنن
اک امانت جس سے محرم تھا نہ فرقِ مرد و زن

قبضۂ تقدیر میں اب تک رہا محفوظ وہ
مر گئے اُسکی تمنا میں سلاطینِ زمن

ہاں مگر لے فخرِ شاہانِ جہاں وکٹوریا
تھی ترے فرقِ مبارک سے لگی اُسکی لگن

گر کہے کوئی کہ اوروں نے نہ کیوں پایا یہ تاج
اُس سے کہدو لائقِ حلوا نہیں ہے ہر دہن

گو بہت دنیا میں شاہ و شاہ بانو ہیں مگر — بانوے برطانیہ کا سب سے بالا ہے چلن
ماں کسی اولاد کو ایسی نہیں ہوتی نصیب — اور نہ ماں کو ایسی بیٹی اور نہ دولھا کو دلھن

نیک طینت پاک دل ایسے بشر ہوتے نہیں
رنج سہنے کے لئے ایسے جگر ہوتے نہیں

ق ۱ وہ جزیرہ جو کہ روئے بحر پر ہے مثلِ خال — دھوپ کا اور روشنی کا جسکی سرحد میں ہے کال
۲ جس سے آگے بڑھ کے ہیں آثارِ قدرت ناپدید — کچھ نہیں آتا نظر جز ذات ربّ ذوالجلال
۳ یعنی انگلستان ہی جسکی حقیقت اسقدر — شاید اُسکے باب میں کوئی یہ کر بیٹھے سوال
۴ کیا ضرورت ہے کہ وہ مختار اور قابض رہے — سرزمینِ ہند پر ہے جسکی وسعت کا یہ حال
۵ اُس سے کہدو خوں بہے اولاد کا اُسکی جہاں — آبِ باراں کی طرح اور بحر و بر ہو جائیں لال
۶ جسکے لینے اور بچانے کے لئے لاکھوں شجاع — جنگ میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہوئی ہوں پائمال

مُفت اُسے ہاتھوں سے کھو دینا روا ہو کس طرح
خوں بہا اُن سورماؤں کا ادا ہو کس طرح

اور سب جانے دو۔ کیا عظمت کی کچھ قیمت نہیں؟ — یا فتوحاتِ نمایاں لائق وقعت نہیں؟
پے بہ پے فتح و ظفر کی قیمتی زنجیر کیا — دوش پر اِک قوم کے پیرایۂ عزّت نہیں؟
واسطے اولاد کے میراث جسکو چھوڑ جائیں — اسقدر بھی دولت و عزّت میں کیا برکت نہیں؟
سمجھے اس دولت کو جو ناچیز اسکی روح کو — جسم خاکی سے جو سچ پوچھو تو کچھ نسبت نہیں
بحث کرنی اُس سے لا حاصل ہے۔ سمجھا دو اُسے — تجھ کو انگلستان کی شہرت سے کچھ نسبت نہیں

ناحق ایسے شخص کے کہنے کا تم مانو بُرا
جسکی فطرت میں کہ حیوانوں سے کم خسّت نہیں
فردوسی ۱۲

ننگِ ذلّت ہے نہ کچھ پروا ہے عزّت ہے جسے
ہر ذلّت اور پستی پر قناعت ہے جسے

جراتیں اسپارٹا سے یہ نہوتیں آشکار
جب بڑوں کے اپنے سا کے یاد آتے تھے انھیں
سورما تھرمو پلی کا نام سن پاتے ہیں جب
آئے ہیں اس معرکہ میں کام جو شیر جری
جو کہ دہلی یا اسائی میں ہوئے ہیں فتحیاب
جی چرائیں گے نہ ہرگز جان دینے سے کہیں

گر بزرگوں کی مُہمیں وہاں نہوتیں یادگار
آبرو پر جان و تن بڑھ بڑھ کے کرتے تھے نثار
جوش میں آتے ہیں کیا کیا اُنکے دل بے اختیار
نسل میں اُنکی وہی عزّت رہیگی برقرار
ہموطن بھائی ہوں اُنکے یا عزیز اور دوستدار
فی المثل گردش گُنی طاقت سے بھی ہو دو چار

ق ۲

تاکہ فتحِ دہلی و فتحِ آسائی کا شرف
قوم میں باقی رہے گو اپنی جانیں ہوں تلف

یاد ہوگا سب کو وہ حق کا عتابِ اوّلیں
تفرقہ نے توڑ کر پھینکا تھا سب کو دور دور
کون ہوگا جس کے دل میں یہ تمنا ہو کہ پھر
تو میں آپس میں بہت رکھتی ہیں یہاں جو میل جول
ایک حاکم کی رعیت دوست ہوتی ہے سدا
قوت اور امن و خوشی ہیں ثمرہ ہائے اتفاق

جس نے ڈالی تھی بشر کی ذات میں بنیادِ کیں
تھی بڑی جبوقت بن لوبی جتنی ساری زمیں
ہو وہی پہلا عتاب انسان پر نازل کہیں
اُنکی عقلیں ہوتی جاتی ہیں زیادہ دور بیں
گر نہو تو ایک دن ہو جائیگی وہ بالیقیں
ثمرۂ نا اتفاقی جز ہزیمت کچھ نہیں

نوعِ انساں میں بدی سے جو کہ پھیلا تھا نفاق
کرتا جاتا ہے زمانہ اُسمیں پیدا اتفاق

ہے زبردستوں کا یارو بول بالا آجکل
اک ذراسی ٹھیس میں ہوتا ہے کام اسکا تمام
دے۔ گر انگلستان کا ساری رعیت ملکے ساتھ
ورنہ وہ ملّت کہ جو دو برّ اعظم پر ہے آج
کیا تعجب ہے کہ اُسکا سایۂ دُور و دراز
سامنے اُس قوم کے انگلینڈ کی ہو وہ مثال

پودنے کی اصل کیا دیووں کا ہو جس جا عمل
دیو کی جنبش ہے اُسکے حق میں پیغامِ اجل
تنگ ہو جا عدو پر عرصۂ جنگ و جدل
سایہ افگن صورتِ مثلِ تناور فی المثل
رفتہ رفتہ جائے باہر اپنی سرحد سے نکل
جیسے اِک بالشتیا آجائے پیشِ مرد یل

وقت پر سب ملکے گر اُسکا دینگے ساتھ یہاں
اک طرف ہو جائیگا پلّہ ترازو کا گراں

نوعِ انساں کو ملی ہے جبکہ عقلِ ناتمام
بات جو کل ہو چکی اُسکی بھی حسرت ہے عبث
جبکہ اِک ہموار رستے پر چلے جاتے ہیں ہم
کچھ دنوں چڑھتے رہے ہیں ہم بلندی کی طرف
آن پہنچے جب بلندی پر تو لازم ہے کہ اب
جب بلندی پر سے دیکھیں جھک کے پستی کی طرف

پھر حماقت ہے کہ کیجے آج۔ کل کا اہتمام
رہتے ہیں آج اسلئے ہر حال میں ہم شاد کام
دائیں بائیں کے بلند و پست سے کیا ہمکو کام
کر چکے ہیں قطع۔ تھے یہاں پُر خطر جتنے مقام
خوف کا ہرگز رہے باقی نہ دل میں اپنے نام
شکرِ حق لائیں بجا اور بخت کو بھیجیں سلام

سلہ یہ روس کی طرف اشارہ ہے۔ انگلینڈ کو پودنے سے اور روس کو دیو سے تشبیہ دی ہے۔

جو خوشی دی ہے خدا نے اُس سے جی ٹھنڈا کریں
یادِ غمہائے گزشتہ سے نہ دل میلا کریں

راگنی اب وقت کی ہم چھیڑتے ہیں برملا
اتفاق اور دوستی نے کر دیا ہے سب کو ایک
مملکت فوجوں سے اور قلعوں سے ہے معمور سب
سر پہ دو تاجِ ہمایوں ہند کے رکھے گئے
برخلاف اُس ملک کے جو دھاک ہا ہی بر فتاق[۲]
بھیڑیوں کے غول پھرتے ہیں بنوں میں چیر کے

جس سے ظاہر ہو کہ حالت ہند کی ہے آج کیا
اور آزادی[۱] نے کر رکھا ہے ہر اک کو جدا
پایۂ نظم و نسق پہنچا ہے تا فوق السما
واجبی حق الغرض مدت کے بعد اُسکو ملا
ہر طرف ہے بن ہی بن اور قحط ہے جاندار کا
تا کہ جو مل جائے وہاں آوارۂ دشتِ بلا

اُڑ کے چھوڑیں اُسکو ایسا بے کس و بے خانماں
حشر تک پیارے ہیں فرقت میں اُسکی نوحہ خواں

بارے ایسی ہند کی حالت نہیں زار و نزار
فرض کیجے کُل بنی آدم کے چھ حصے اگر
ہے یقیں مقدار اُسکی اِس سے بھی بڑھ جائے کچھ
زندگی کی ریت اب ٹھیریگی شیشے میں سوا

ہے موافق اُسکی وسعت کے رعیت کا شمار
ایک حصہ اُسمیں اہلِ ہند پائینگے قرار
کیونکہ فتنہ کو نہیں مدت سے ملتا اُسمیں بار
پیشتر جسکے نکلنے کا بندھا رہتا تھا تار

[۱] یعنی سب کو رائے کی آزادی حاصل ہے۔ ہر شخص ایک دوسرے کے اور خود گورنمنٹ کے خلاف رائے دینے کا مجاز ہے گویا آزادی کی حیثیت سے سب جدا جدا ہیں اور اتفاق کی حیثیت سے سب ایک ہیں +

[۲] یہ روس کے ویران اور غیر آباد ملک کی طرف اشارہ ہے +

اسقدر بندوں کی روزی کا ہمیں کیوں فکر ہو
کچھ نہیں تو قحط[۱] کا دورہ سلامت چاہیئے

ہے خدا کے حکم پر سب کی معیشت کا مدار
بڑھنے پائیگا نہ آدم زاد کا حد سے شمار

یاد رکھ اے منکرِ حق - ہے یقیں اصل نجات
وسوسوں سے اور کھل جاتی ہے راہِ مشکلات

ہر کرن سورج کی اور ہر بوند پانی کی یہاں
وہ خدا جس نے بنایا اور پھر پالا انھیں

لاکھوں جانداروں کے رہنے کو علیحدہ اک جہاں
کیا تجھے اور نسل کو تیری نہ دیگا قوت ناں

۱ اس خیال سے مترشح ہوتا ہے کہ شاعر کے نزدیک غریب ہندوستانیوں کی جانیں خضرائے دمن وحشرات الارض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں - کاش وہ ہندوستان کی آبادی گھٹنے کے لئے یہ اُمید ظاہر کرتا کہ جس قدر تجارت - سیاحت اور علُوم وفنون کی مُلک میں ترقّی ہوتی جائے گی - اُسی قدر یہاں کے باشندے ترک وطن اختیار کرتے جائیں گے - اور اس طرح رفتہ رفتہ مُلک کے باشندوں کی تعداد ایک مناسب مقدار پر آ ٹھیرے گی اس بیان میں ایک اور بھی خلل ہے - اُوپر کے شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی مردم شماری زیادہ ہونے سے اِس بات کا اندیشہ ہے کہ ہندوستان کی پیداوار ہندوستانیوں کی خوراک کے لئے کافی نہ ہو - اور اس سبب سے بہت سے لوگ بھُوک کے مرنے لگیں - اس اندیشہ کو وہ اِس طرح رفع کرتا ہے کہ جب قحط سالیوں میں لوگ بھُوک کے مرتے رہیں گے - تو مردم شماری بڑھنے نہ پائیگی - اور مُلک کی پیداوار مُلک والوں کو کافی ہوگی گویا بھُوک سے مرنے کا علاج بھُوک ہی سے مرنا بتاتا ہے ۔

ہند کا دریا جو چڑھتا ہے تو چڑھنے دے اُسے
تو یقیں کو اپنے رکھ مضبوط بے وہم و گماں

ہے اگر غلبہ[1] کا کثرت پر رعایا کی مدار
ہند ہو سکتا ہے آدھی ایشیا پر حکمراں

کچھ بھی ہمت ہو اگر اسمیں تو پھر ممکن نہیں
آنکھ اُٹھا کر دیکھ لے کوئی سوے ہندوستاں

بلکہ خود لیجائے وہ فوج اور لشکر اپنے ساتھ
اور گاڑے جا کے حد میں غیر کی اپنا نشاں

اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو بھی کئے جائے بسر
عزّت - آزادی - بزرگی - آبرو سے اپنے گھر

مملکت اِتنی ہو جس کی اور رعیت اسقدر
ہو زمیں ساری خدا کی برکتوں سے بہرہ ور

ایسے سلطانِ بلند اقبال فرخ فال کو
اور پھر کیا چاہئے کچھ بھی قناعت ہو اگر

ہے کوئی وادی جہاں میں ہمسرِ کشمیر آج
یا کوئی گنگا کے میداں سے زمیں زرخیز تر

شہر ہے جو مرکزِ[2] کشمیر مانندِ طلسم
طرفہ کیفیت سے ہے لہروں میں ڈل کی جلوہ گر

دیکھتے ہیں آبِ صافی میں حبابِ اُسکا انعکاس
دوسرا وینس کا نقشہ صاف آتا ہے نظر

باغِ شالامار جو رونق فزا ہے اُسکے پاس
ہے وہ اک نیرنگِ قدرت کا تماشا سر بسر

سبزہ و نسرین و گل کی سرزمیں کہئے اُسے
صفحۂ گیتی پہ یا خلدِ بریں کہئے اُسے

[1] غلبہ کا مدار کثرتِ رعایا پر نہیں ہے بلکہ رعیت کے ذہن میں یہ بات تہ نشین ہونی چاہئے کہ ہمارے اور گورنمنٹ کے مقاصد متحد ہیں اور ہم پر ہماری ہی بہبودی کے لئے حکومت کی جاتی ہے جب تک رعیت کو اِسبات کا یقین نہو کیونکر اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ سلطنت کی جان نثار ہوگی

[2] مرکزِ کشمیر سے مراد شہر سرینگر ہے

| | | |
|---|---|---|
| فی المثل تختہ زمرّد کا ہے وہاں اک سبزہ زار | ق | سایہ افگن اس طرح ہیں ہو بہو اُس پر چنار |
| جھیل کے چاروں طرف جس طرح آتے ہیں نظر | ۲ | زیر و بالا اونچے نیچے گھر قطار اندر قطار |
| تھی بنانے سے غرض تیرے یہ اے باغِ نسیم | | باغِ جنّت کا نہ انساں کو رہے کچھ انتظار |
| چوٹیاں پربت کی ہیں جو برف میں لپٹی ہوئیں | | جا بجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن پہرہ دار |
| اُنکی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا | | سینۂ گردوں سے گویا اب نکلجائینگے پار |
| روزِ روشن میں جب اُنکا جھیل پر پڑتا ہے عکس | | نقرئی پانی کی اُسکی پھر کوئی دیکھے بہار |

اور پھر جھرمٹ زنانِ مہ لقا کا ہر طرف
(سامنا آفت کا فتنہ کا بلا کا ہر طرف)

| | |
|---|---|
| جنّت اے کشمیر کوئی تجھ سی دنیا میں نہیں | تو نہیں دیتا بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں |
| ہر چمن یہاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے | ہر چمن میں یہاں مُہیّا ہیں مکاں پھر مکیں |
| اِن مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے | پھر وہ عالم ہے جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں |
| جسجگہ ہوتا ہے ابد پر وقت جا کر منتہے + | ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں آ کر یونہیں |
| یعنی اقلیمِ ابد اور یہ جہانِ خامشی | طاقتِ انساں کی حد ہے ہیں پرے دونو کہیں |
| طرفہ سنّاٹا ہے اس سنسان کوہستان پر | جسکی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دلنشیں |

ہیں سراسر ناپدید آثارِ انسانی یہاں
مونھ لپیٹے ہیں پڑے اسرارِ یزدانی یہاں

| | |
|---|---|
| ڈھونڈھیئے گران پہاڑوں کی بلندی کی مثال | ظاہر انکا اور انگلستان کا ہے ایک حال |

جیسے وادی کی زمیں سے تا فلک پہنچے ہیں یہ
ہے یقیں رستے ہی میں ہو جائے کام انکا تمام
تا پتی پر آکے انگریزوں نے جب کھولی دکاں
یعنی اسدم تک کہ سکھوں سے ہوا گہرا بگاڑ
لشکرِ مقدونیہ کی قتلگاہوں پر ہوا +

ق ۱

وہ بھی پستی سے یونہیں پہنچا ہے تا اوجِ کمال
ہو جنھیں اسکی بلندی تک پہنچنے کا خیال
ایک مدت تک ترقی نے نہ بدلی اپنی چال
اور دریا ہوگئے پنجاب کے سب خوں سے لال
بعدِ مدت گرم پھر ہنگامۂ جنگ و جدال

۲

۳

اہلِ انگلستان کو جھگڑوں سے فرصت کم ملی
امن کو فتنہ کے ہاتھوں سے فراغت کم ملی

جب بغاوت نے اٹھایا سر تو اس سے بھی سوا
عورتیں اور انکے بچے بے گنہ مارے گئے -
بھائی بندوں کی جفائیں دیکھکر غمگیں ہوئے
اور ہزاروں نے یہ باندھے ملکے منصوبے کہ بس
صفحۂ ہستی سے نام انکا مٹانے کے لئے
لیکن انکی گھات میں تھا شحنۂ قہر و غضب

آگ بھڑکی مرگ کی اور خون دریا کا بہا
گھر جلے اور دشمنِ جاں ہوگئی خود دست و پا
اہلِ انگلستان کے ساتھی تھے جو اہلِ وفا
عزت انگلستان کی اب خاک میں دیجے ملا
ہوگیا تیار جان و دل سے ہر چھوٹا بڑا
پھنس گئے پنجہ میں اسکے یک بیک اہلِ خطا

پلہ انگلستان کا ہوکر رہا آخر گراں +
گرتے گرتے تھم گیا اقبال کا اسکے نشاں

گو ہوئی دلی پہ حاصل برملا فتح و ظفر
پر نہ اس فتحِ نمایاں کا ہوا اعلان کچھ

پرچم اقبال لہرانے لگا پھر بے خطر
وسوسوں سے دل ہے سب اسلئے زیر و زبر

چونک چونک اُٹھنے لگے راتوں کو بدخوابی سے لوگ
کر گئی دُنیا سے گویا فارغ البالی سفر

صبح کے ہوتے ہی سب کافور ہو جاتی تھیں وہ
شکلیں ہیبتناک جو راتوں کو آتی تھیں نظر

رائے یہ ٹھہری کہ پائے اب وہ قیصر کا لقب
تابعِ فرماں ہیں جس فرمانروا کے بحر و بر

قوتِ بازو سے جو حاصل کیا ہے قوم نے
وہ ہمایوں تاج رکھا جائے اُسکے فرق پر

تاکہ سب جانیں کہ رخصت ہند سے فتنہ ہوا
عہد انگلستان کا جو کچھ کہ تھا پورا ہوا

اِس نویدِ روح پرور کی اشاعت کے لئے
ہند میں آیا پرنس آف ویلز انگلستان سے

ایلبرٹ اڈورڈ جسکے دودۂ اقبال میں
سو جلیل القدر سلطاں اب سے پہلے ہو چکے

جسکے دادا نے کیا زیر و زبر نظمِ فرانس
اور بتاتا ہے لقب جسکا تپے اُس جنگ کے

دی فرانسیسوں کو جسمیں زک وہ انگلستان نے
جس سے واقف ہیں فرنگستان کے چھوٹے بڑے

حاکمِ بوہیمیا کی چھین لی تھی جسمیں ڈھال
خود ولیعہدِ زماں نے یاریِ اقبال سے

جس پہ لکھے اعترافِ بندگی کے برملا
حاکمِ بوہیمیا کے دستخط سے ثبت تھے

جمع تھے جس ذاتِ والا میں فضائل اسقدر
وہ ہوا مامور اِس کارِ عظیم الشان پر

وہ مبارک وقت جب لنکا سی لیکر تا عدن
اُسکے آنے کی خوشی میں محو تھے سب مرد و زن

راگ گائے جاتے تھے ہر سو مبارکباد کے
جوشِ شادی میں در و دیوار تک تھے نغمہ زن

شہر میں جنگل میں ہر میدان میں ہر راہ میں
جمع تھی اُسکے لئے خلق انجمن در انجمن

وہ سُہانے بول شہنا کے وہ باجوں کی جھڑی
پڑ رہی ہے جنکی گویا کان میں اب تک بھرن

کھچ چکے ہیں اُس ہمایوں جشن کے نقشے بہت
میں بھی اے وکٹوریا اے فخرِ شاہانِ زمن

چاہتا ہوں کھینچنا خاکا اِک اُس دربار کا
جس میں کی تو نے قبائے قیصری زیبِ بدن

جس میں تیرے نام کا ڈنکا بجایا قوم نے
جو کہا تھا مونھ سے آخر کر دکھایا قوم نے

## تمت بالخیر

# اشتہار

## دیوانِ حالی مع مقدمہ متضمن ماہیتِ شعر و شاعری

دیوان اردو مشتمل بر قطعات و غزلیات و ترکیب بندات و رباعیات وغیرہ اور اسکے اول میں ایک مبسوط مقدمہ جس میں شاعری کی حقیقت اور اسکے حسن و قبح پر مفصل بحث کی گئی ہے از تصانیف جناب مولانا مولوی الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی چھپکر تیار ہو گیا ہے جن صاحبوں کو خریدنا ہو راقم کے پاس درخواست ارسال فرمائیں فوراً ویلیو پی ایبل پارسل کے ذریعہ سے روانہ کیا جائیگا +

دیوانِ حالی - کاغذ ولایتی لوح مینا کاری بر کاغذ چرمی . . . صہ؍

دیوانِ حالی - کاغذ ولایتی لوح سادہ بر کاغذ آبی . . . . . سے؍

دیوانِ حالی - کاغذ سیر امپوری لوح سادہ بر کاغذ آبی . . . . عہ؍ ن

مثنوی حقوق اولاد . . . . . . . . . . ۲؍۶ پائی

مناجاتِ بیوہ . . . . . . . . . . . . ۲ ؍

الراقم [illegible]

[illegible] امیر افضل مرحوم متصل کوچہ پنڈت شہر دہلی

# ترکیب بند

موسوم بہ

مصنفہ

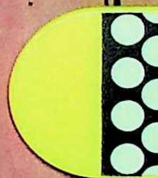
مطبع



حسب ضابطہ رجسٹری شد

قیمت فی جلد





بسم اللہ الرحمن الرحیم

# شکوہ ہند

## بندِ اوّل

رخصت اے ہندوستاں اے بوستانِ بیخزاں
رہ چکے تیرے بہت دن ہم بدیسی میہماں

آج گو شکووں سے ہیں لبریز ہم اے خاکِ ہند
ہیں مگر احسان اگلے تیرے سب خاطر نشاں

تونے بیگانوں کی خاطر کی یگانوں سے سوا
میہماں تھے پر بنایا تونے ہم کو میزباں

تیرے باغوں کی فضاؤں نے دیئے دل سے بھلا
شعب بوّان و سمرقند و دمشق و اصفہاں

یاد کچھ جیحوں رہا ہم کو نہ دجلہ اور فرات
تیرے گنگا جل نے جو سب تر کئے کام و زباں

تیرے کاشی کی کشش نے کر دیئے ہم سے جدا
یثرب و بطحا و صنعا و زبید و نہرواں

تیرے ذوقِ نیشکر نے کر دیے سب دل سے محو
بصرہ و طائف کے نارستان اور خرماستاں

فصلِ گل میں دیکھکر جوبن جہاں بن کا ترے
مرو اور شیراز کے بھولے چمن اور گلستاں

تیرے سر جیون پہاڑوں نے دیا جی سے اٹھا
نہرِ رُکنی اور گلگشتِ مُصلّٰے کا سماں

دعوتیں بھولیں سمرقندی و شیرازی تمام ۔ اِسقدر الوانِ نعمت کے لگائے تونے خوان

نقش ہیں دل پر ہمارے سب مداراتیں تری
ہم نہ بھولیں گے کبھی دن تیرے اور راتیں تری

## بند دوم

تھی ہماری قوم و ملّت رسم و عادت سب جدا ۔ رشتہ و پیوند کوئی ہم میں اور تجھ میں نہ تھا
بول چال اپنی الگ تھی اور زباں تیری الگ ۔ تجھ سے ہم تھے اجنبی اور ہم سے تو نا آشنا
ہم میں اے ہندوستاں گو بے جنسیت تھی ۔ تونے لیکن اپنی آنکھوں پر لیا ہم کو بٹھا
تونے سونپی مُہرِ دولت ہم کو اور طبل و نشاں ۔ تونے بخشے قصر و ایواں ہم کو اور بُستاں سرا
تونے ثروت دی حکومت دی ریاست دی ہمیں ۔ شکر کس کس مہربانی کا کریں تیری ادا
نبھ سکیں لیکن نہ آخر تک یہ خاطر داریاں ۔ جو دیا تھا تونے وہ آخر کو سب رکھوا لیا
خیر۔ اپنے مال کا تو ہر طرح تھا اختیار ۔ جس سے چاہا لے لیا اور جسکو چاہا دیدیا
کھینچ لیں اپنی اسی دم اُٹھکے گدّی سے زباں ۔ بھولکر بھی گر زباں پر اس کا آجائے گلا
پر گلا یہ ہے کہ جو کچھ اپنا ہم لائے تھے ساتھ ۔ وہ بھی تونے ہم سے لیکر کر دیا بالکل گدا
آدمیت کے تھے جوہر جو ہماری ذات میں ۔ خاک میں آخر دیے اے ہند سب تونے ملا

یاد ہوگا تجھ کو یہاں آئے تھے ہم کس شان سے
تجھ کو سوگند اپنے ست جگ کی بتا ایمان سے

## بند سوم

ترکمانی صولت اور مغلی جلادت ہم میں تھی
عزمِ کُردی ہم میں تھا بدوی حمیت ہم میں تھی

ہاشمی آداب عباسی فضائل ہم میں تھے
نطق اعرابی و عدنانی فصاحت ہم میں تھی

ضربِ کراری و حربِ خالدی رکھتے تھے ہم
سطوتِ حمزی و فاروقی جلالت ہم میں تھی

عرقِ غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال
چھینتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی

آج تھا ور تھا مقام اپنا توکل تھا باخطر
عیش و عشرت کی نہ فرصت تھی نہ عادت ہم میں تھی

ننگ تھا ہم کو مشقت سے نہ مزدوری سے عار
جو بزرگی تھی مشقت کی بدولت ہم میں تھی

ہم شتربانی سے پہنچے تھے جہانبانی تلک
اسلیئے باقی شتربانوں کی خصلت ہم میں تھی

جو نشاں اقبالمندی کے ہیں وہ سب ہم میں تھے
حُبِّ دینی ہم میں تھا قومی مودت ہم میں تھی

گھر ہمارے اور ہم سب وقف مہمانوں پہ تھے
یثربی مہماں نوازی و ضیافت ہم میں تھی

جھوٹ سے واقف نہ تھے ہم تیری اے ہندوستاں
احمدی اخلاق و اسلامی اخوت ہم میں تھی

چھین لی سب ہم سے یہاں شانِ عرب آنِ عجم
تونے اے غارتگرِ اقوام و اکّال الامم

## بند چہارم

آئے تھے اے ہند یہاں ایسے ہی ہم زار و نزار
ہے عرب کو جنسے ننگ اور ہے عجم کو جن سے عار

ہم انھیں اسلاف کے معلوم ہوتے ہیں خلف
جن کی تھی محکوم نسلِ رستم و اسفندیار

ہم انھیں بابوں کے بیٹے تجھکو آتے ہیں نظر
جن کی جولانگاہ تھی تاتار سے تا زنجبار

ہیں ہمیں اے آریاورت اُن سواروں کے سپوت
جنکی دوڑوں سے ہیں واقف تیرے دشت اور کوہسار

ہم سدا اے خاکسار ایسے ہی تھے اے خاکِ ہند
اُڑتی پھرتی تھی زمانے میں یہی مشتِ غبار

تھیں یہی شکلیں ہماری تھا یہی رنگ اور روپ
تھی یہی سیرت ہماری تھا یہی اپنا شعار

گر سلف دیکھیں ہمارے زندہ ہو کر اب کہیں
آئے نسبت اور قرابت سے ہماری اُنکو عار

سیرتیں تو نے بدل دیں مسخ کر دیں صورتیں
آبرو تو نے ڈبو دی کھو دیا تو نے وقار

کر دیا شیروں کو تو نے گوسفند اے خاکِ ہند
جو شکار افگن تھے آ کر ہو گئے یہاں خود شکار

نکبتیں یہ سب جبھی سے ہمکو آتی تھیں نظر
آئے تھے یہاں جب کہ اپنا چھوڑ کر ملک و دیار

تھا یقیں ہم کو کہ شامت رفتہ رفتہ آئیگی
ہمکو تو اے خاکِ ہند آخر یونہیں کھا جائیگی

## بندِ پنجم

دیکھتے ہیں اب یہی آنکھوں سے صبح و شام ہم
جو مداراتوں کا سمجھے تھے تری انجام ہم

توڑ ڈالے جلد تو نے عہد اور پیمان سب
بے وفا سنتے تھے سچ اے ہند تیرا نام ہم

دیر تک رہتا ہے جو مہماں نہیں رہتا عزیز
سنتے ہیں دیوار و در سے تیرے یہ پیغام ہم

عیب جو دنیا میں ہیں وہ ہم پہ تھپ جاتے ہیں سب
کیا زمانے میں ہمیشہ تھے یونہیں بدنام ہم

سب کو ہو جاتا ہے ناکامی کا پہلے ہی یقیں
اُٹھتے ہیں کرنے کو جب ہمت کا کوئی کام ہم

تو نے دیکھا تھا کبھی اسلامیوں کا حال یہ
کیا عرب سے لیکے نکلے تھے یہی اسلام ہم

بس زیادہ پیسنے سے اپنے کیا حاصل تجھے
پس چکے اے آسیائے گردشِ ایام ہم

شکوہ قسمت کا ہے جو یہاں کھینچ کر لائی ہمیں
تجھ کو اے ہندوستاں کس منہ سے دیں الزام ہم

پھر گئی سرحد سے تیری فوج یوناں جس طرح
رہتے قانع اپنی محنت اور مزدوری کا شرح

کاش پھر جاتے یونہیں در سے ترے ناکام ہم
آکے یہاں پاتے نہ ذوقِ راحت و آرام ہم

دشمن اپنا ہو گیا سود لے مال و جاہ حیف
حرص نے طمع کی شیروں کو کیا روباہ حیف

## بند ششم

وہ مسلمانوں کی ہر بازی میں سبقت کیا ہوئی
ہم مسلمانوں سے ہے اے ہند ننگ اسلام کو
جی کسی کی عزت افزائی سے خوش ہوتا نہیں
دین و دولت علم و دانش ہم میں کچھ باقی نہیں
ملک و مال و سلطنت اک آنی جانی چیز تھی
قریہ قریہ تیرے علم و فضل سے معمور تھا
جس نے مغرب کو کیا مشرق وہ سورج کیا ہوا
کوہ و دریا جن کے ہوتے تھے نہ ہرگز سدِّ راہ
کوئی مشکل ہم کو میداں سے ہٹا سکتی نہ تھی
ہو گی اے ہندوستاں آمد ہماری تجھ کو یاد

وہ حجازی غیرت اور ملّی حمیّت کیا ہوئی
تھا لقب خیر الامم جس کا وہ اُمّت کیا ہوئی
دل گواہی جس پہ دیتا تھا وہ عزت کیا ہوئی
حق نے پوری کی تھی جو ہم پر وہ نعمت کیا ہوئی
جو ہمیشہ رہنے والی تھی وہ دولت کیا ہوئی
اب وہ اے اسلام تیری خیر و برکت کیا ہوئی
جس سے گھر گھر بن گیا یوناں وہ حکمت کیا ہوئی
وہ ارادے کیا ہوئے اور وہ عزیمت کیا ہوئی
وہ ثبات اور پائداری اور وہ ہمت کیا ہوئی
وہ مسلمانوں کی ہیئت اور وہ صورت کیا ہوئی

وہ بر و دوش اور وہ سینے پہلوانی کیا ہوئے
وہ قد و بالا وہ چہرے ارغوانی کیا ہوئے

## بند ہفتم

خصائص اہل اسلام

جب تک اے ہندوستاں ہندی کہلاتے تھے ہم
کچھ ادائیں آپ ہیں سب سے جدا پاتے تھے ہم

غیرت وحمیت

اپنی خود کرتے تھے عزت گر نکرتا تھا کوئی -
سر ہر اک فرعون کے آگے نہ نہوڑاتے تھے ہم

حاجتیں ہوتی تھیں جو اپنی روا کرتے تھے آپ
ہاتھ آگے میر و سلطاں کے نہ پھیلاتے تھے ہم

تھے اُسے نعمائے سلطانی سے بہتر جانتے
اپنی محنت سے اگر نانِ جویں کھاتے تھے ہم

تھے نہ نرگس اور زغن کی طرح ہم مُردار خوار
تھا وہی قُوت اپنا جو خود مار کر لاتے تھے ہم

تھی اولو العزمی و ہمت اپنی مفتاحِ ظفر
چار سو راہیں معیشت کی کھلی پاتے تھے ہم

جب کبھی جس کام کی خاطر جدھر مونھ اُٹھ گیا
پھر پلٹ کر وہاں سے خالی ہاتھ کم آتے تھے ہم

جی چُراتے تھے نہ مکروہاتِ عالم سے کبھی
اور خلافِ چرخِ دُوراں سے نہ گھبراتے تھے ہم

اسپِ تازی کی طرح تھی قوم تازی بھی غیور
جب کوئی بڑھتا تھا ہم سے تلملا جاتے تھے ہم

ہے حمیت کو ہماری اک زمانہ جانتا
سرد ہو جاتے تھے سب جس وقت گرماتے تھے ہم

حال اپنا سخت عبرت ناک تو نے کر دیا
آگ تھے اے ہند ہم کو خاک تو نے کر دیا

## بند ہشتم

خدمت مہمان

کھا کے نعمت دل ہمارا شادماں ہوتا نہ تھا
ساتھ دسترخوان پر گر میہماں ہوتا نہ تھا

کرتے تھے مہماں ہمارے ماحضر پر اکتفا
تنگدل مہماں سے کوئی میزباں ہوتا نہ تھا

ہمکو پہنچی تھی خلیل اللہ سے خوانِ گستری
عسرت اور تنگی میں بھی طے اپنا خوان ہوتا نہ تھا

رکھتے تھے بچوں کو بھوکا اپنے مہماں کے لئے
خرچ سے گھر کے سوا کھانا جہاں ہوتا نہ تھا

تھا مسافر کے لئے ایک ایک گھر مہمانسرا
ہم کو کچھ غربت میں فکر آب و ناں ہوتا نہ تھا

میہمانوں کو تھے اپنے گھر کی برکت جانتے
ٹھہرنا مہمان کا برسوں گراں ہوتا نہ تھا

جانتے تھے ہم کہ ہے اُس پر خدا نا مہرباں
جو کہ ہمسائے پہ اپنے مہرباں ہوتا نہ تھا

ہم ہر اک آفت میں ہمسایوں کے رہتے تھے سپر
دشمنوں سے اپنے اُنکو خوف جاں ہوتا نہ تھا

چپکے چپکے حاجتیں کرتے تھے سب اُنکی روا
فقر و فاقہ اُنکا خلقت پر عیاں ہوتا نہ تھا

پیٹ بھر لیں اپنا اور ہمسایہ فاقہ سے رہے
اِتفاق آگے یہ اے ہندوستاں ہوتا نہ تھا

یوں نہ ہمجنسوں سے کرتی تھیں یہ آنکھیں چوریاں
تو نے اپنی سی سکھا دیں ہم کو تنہا خوریاں

## بند نہم

محبت و صداقت

جس سے کرتے تھے محبت بے ریا کرتے تھے ہم
جس سے ہوتی تھی شکایت برملا کرتے تھے ہم

شکوہ ہوتا تھا تو اکثر مونہہ پہ کہدیتے تھے ہم
شکر کرتے تھے تو غیبت میں سوا کرتے تھے ہم

دوست بنجاتے تھے جسکے اُس سے کرتے تھے نباہ
عہد کرتے تھے تو عہدوں کو وفا کرتے تھے ہم

جن کے ہو جاتے تھے ساتھی اُنکا ہم دیتے تھے ساتھ
رنج و راحت میں شریک اُنکے رہا کرتے تھے ہم

کرتے تھے عسرت میں اُنکی واسطے فکرِ معاش
اُنکی بیماری میں تدبیر اور دوا کرتے تھے ہم

کام میں یاروں کے اپنے کام سب دیتے تھے چھوڑ
اِس میں روزے اور نمازیں تک قضا کرتے تھے ہم

یار کوئی مر کے اپنے سے بچھڑ جاتا تھا جب
یار کی اولاد پر جانیں فدا کرتے تھے ہم

سنتے تھے اپنے بڑوں کا جن سے پیار اور اتحاد — اُنکی نسلوں سے وہی رسمیں ادا کرتے تھے ہم

دشمنوں کی زد میں دیتے تھے نہ آنے ہمکو دوست — ٹوک دیتے تھے ہمیں جب کچھ خطا کرتے تھے ہم

آج وہ کام آئے اپنے کل ہم اُنکے آئے کام — بارہا باہم سلوک ایسا کیا کرتے تھے ہم

تو نے اے ہندوستاں کھو دیں کہاں وہ یاریاں
یاریاں ہم میں رہیں باقی نہ وہ غمخواریاں

## بندِ دہم

یکرنگی و برادرانہ مساوات

تیرے سایہ سے رہے اے ہند جبتک دُور ہم — اپنی یکرنگی رہی ضرب المثل بین الاُمم

ملگیا جو ہم میں آکر پھر نہ تھے ہم پوچھتے — روم ہے یا ترک ارمن ہے عرب ہے یا عجم

ملّتِ بیضا نے قوموں کی مٹا دی تھی تمیز — تھے بلال و جعفر و سلماں برابر محترم

ایک رنگت میں اخوت کی تھی سب رنگے ہوئے — اسود و احمر تھے جو اسلام کے زیرِ علَم

زنگی و خوارزمی و تاتاری و مازندری — ایک دسترخوان پر کھاتے تھے سب ملکر بہم

گو سدا آپس میں لڑتے اور جھگڑتے تھے مگر — وقت جب پڑتا تھا آکر ایک ہو جاتے تھے ہم

فرق رکھا تھا کہ و مہ میں نہ کچھ اسلام نے — تھے برابر نفقہ و کسوت میں آقا اور خدم

حق خلیفہ کا نہ تھا اُس میں رعیّت سے سوا — جمع بیت المال میں ہوتی تھی جو آکر رقم

ٹوک دیتا تھا سرِ دربار بڑھ کر اک غلام — گر کہیں بے راہ اُٹھ جاتا تھا حاکم کا قدم

شوکتِ دیں کے سوا شوکت نہ تھی کوئی پسند — ملکِ جم لیکر نہ پاس آتا تھا اپنے کبرِ جم

صحبتوں میں تکیہ و مسند کا آئیں کچھ نہ تھا

مجلسوں میں امتیازِ صدر و پائیں کچھ نہ تھا

## بند یازدہم

راستی و صدق و عہد

راستبازی میں ہماری لوگ دیتے تھے نظیر
فرد تھے پاس سخن میں قوم کے برنا و پیر

دوست دشمن کو ہمارے قول پر تھا اعتماد
دے چکے جب ہم زباں پھر تھی وہ پتھر کی لکیر

تھے ثقہ بھی ہم میں بد اطوار بھی اوباش بھی
تھا سخن کا اپنے لیکن پاس سب کو ناگزیر

کوئی بدعہدی سے بڑھ کر تھا نہ عیب اُنکے لئے
حق جنھیں کرتا تھا ہم میں وارثِ تاج و سریر

جیسے رہزن اور لٹیرے تھے ہمارے راستباز
پاسبانوں میں نہیں پاتے ہم آج اُنکی نظیر

دل میں کچھ ہو اور زباں پر کچھ یہ خاصیت نہ تھی
خاک میں اُس سرزمیں کی جس سے تھا اپنا خمیر

جنگ تھی تو برملا تھی صلح تھی تو بے ریا
ہم کو زہر آتا نہ تھا دینا بنا کر جامِ شیر

مونھ سے جو کہہ بیٹھتے تھے کر دکھاتے تھے وہی
ہے گرجکر پھر برستا جس طرح ابرِ مطیر

چھاؤں میں ہم جا کے تلواروں کی کہہ آتے تھے حق
غالب آتا تھا نہ ہم پر خوفِ سلطان و امیر

پر بنایا جب سے ہم نے ملجا و ماویٰ تجھے
راستبازی ہو گئی اے ہند ہم سے گوشہ گیر

کر دیے تو نے تمام اسلام کے ارکان سست
ہو گئے بودے ہمارے عہد اور پیمان سُست

## بند دوازدہم

وفورِ علم و حکمت

شرق سے تا غرب جب عالم میں تھا قحط الرجال
تھی ہماری قوم میں ارزانیٔ اہلِ کمال

علم و حکمت نے ہماری آنکر لی تھی پناہ
روم اور یونان پر جب چھا گیا جہل و ضلال

جاہلوں کا تھا ہماری قوم میں گھاٹا نہیں — جیسے اب لکھے پڑھے ملتے ہیں ہم میں خال خال

منع۔ استدلال۔ یا توجیہ یا تحقیق حق — تھی یہی اکثر ہماری مجلسوں میں قیل و قال

ترک میں وحشت یہی تھی اور نہ جہل اعراب میں — دینِ بیضا نے دیا تھا آکے کانٹا سا نکال

علم بھی جاتا تھا جاتے تھے جہاں ہم ساتھ ساتھ — علم نے اسلام سے باندھا تھا پیمانِ وصال

سیم و زر کم چھوڑ کر جاتے تھے ہم میراث میں — تھی کتاب اپنی بضاعت اور ادب تھا اپنا مال

خلق کرنی تھی ہماری ریس رسم و راہ میں — کر دیا تھا علم نے سب کے لئے ہم کو مثال

آج جس علم و ہنر سے ہے چراغاں بزمِ دہر — ہم نے بنیاد اسکی دی تھی بیشتر دنیا میں ڈال

تھی ہماری دولت اے ہندوستاں فضل و ہنر — آگیا تیری بدولت اپنی دولت کو زوال

ہم کو ہر جوہر سے یوں بالکل معرا کر دیا
تو نے اے آب و ہوائے ہند یہ کیا کر دیا

## بند سیزدہم

ہم نے یہ مانا کہ جب گلشن میں ہو فصلِ خزاں — بے محل ہے چھیڑنی وہاں عہد گل کی داستاں

ہو خلقت پر ابر جب چھایا ہوا ادبار کا — پھر سلف کی شان و شوکت کیجئے کس منہ سے بیاں

ہیں یہ باتیں بھول جانے کی مگر کیونکر کوئی — بھول جائے رات کا سب صبح ہوتے ہی سماں

بزم کو برہم ہوئے مدت نہیں گذری بہت — اُٹھ رہا ہے گل سے شمعِ بزم کے ابتک دھواں

کہہ رہے ہیں نقشِ پائے رہرواں اے خاکِ ہند — یہاں سے گذرا ہے ابھی اِک باتجمل کارواں

گو یقیں ہے۔ رفتہ رفتہ یاد ایام سلف — دل سے چھوٹیگی مٹا کر گردشِ دورِ زماں

بھول جائیں گے کہ تھے کن ڈالیوں کے ہم ثمر
پر زمانے میں رہیں گے تا قیامت یادگار
ماجرا ہوگا ہمارا عبرت اوروں کے لئے
سانپ سے جس طرح رہتا ہے سپیرا دور دور

ٹوٹ کر آئے کہاں سے اور بکے آکر کہاں
جو کئے برتاؤ تو نے ہم سے اے ہندوستاں
چیت جائینگے بہت سنکر ہماری داستاں
حکمراں تیرے یونہیں تجھسے رہینگے برکراں

برکتیں یہاں چھوڑ کر ہم اپنی جائینگے بہت
ہم نہ ہونگے پر نصیحت ہم سے پائیں گے بہت

# عرض حال

## بجناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسرے
وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں

اُمّت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
خود آج وہ مہمانِ سرائے فقرا ہے
اب اُسکی مجالس میں نہ بتّی نہ دیا ہے

جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہباں
اب اُسکا نگہبان اگر ہے تو خدا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اُس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے

جس دین نے تھے غیروں کے دل آکے ملائے
اُس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

جو دین کہ ہمدردِ بنی نوعِ بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اُسمیں بپا ہے

جس دین کا تھا فقر بھی اکسیرِ غنا بھی
اُس دین میں اب فقر ہے باقی نہ غنا ہے

جو دین کہ گودوں میں پلا تھا حکما کے
وہ عرضۂ تیغِ جہلا و سفہا ہے

جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب
اب معترض اُس دین پہ ہر ہرزہ درا ہے

ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی
دینداروں میں پر آب ہے باقی نہ صفا ہے

عالم ہے سو بے عقل ہے جاہل ہے سو وحشی
منعم ہے سو مغرور ہے مفلس سو گدا ہے

یھاں راگ ہے دن رات تو وھاں رنگ شب و روز
یہ مجلسِ اعیاں ہے وہ بزمِ شرفا ہے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے

دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے
اِک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

ہے دین کی دولت سے بہا علم سے رونق
بے دولت و علم اُس میں نہ رونق نہ بہا ہے

شاہد ہے اگر دین تو علم اُسکا ہے زیور
زیور ہے اگر علم تو مال اُسکی جلا ہے

جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت
اُس قوم کی اور دین کی پانی پہ بنا ہے

گو قوم میں تیری نھیں اب کوئی بڑائی
پر نام تری قوم کا یھاں اب بھی بڑا ہے

ڈر ہے کھیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

جس قصر کا تھا سر بفلک گنبدِ اقبال — ادبار کی اب گونج رہی اسمیں صدا ہے

بیڑا تھا نہ جو بادِ مخالف سے خبردار — جو چلتی ہے اب چلتی خلاف اُسکے ہوا ہے

وہ روشنیٔ بام و درِ کشورِ اسلام — یاد آج تلک جسکی زمانے کو ضیا ہے

روشن نظر آتا نہیں وھاں کوئی چراغ آج — بجھنے کو ہے اب گر کوئی بجھنے سے بچا ہے

عشرتکدے آباد تھے جس قوم کے ہر سو — اُس قوم کا ایک ایک گھر اب بزمِ عزا ہے

چاؤش تھے للکارتے جن رہگزروں میں — دن رات بلند اُن میں فقیروں کی صدا ہے

وہ قوم کہ آفاق میں جو سر بفلک تھی — وہ یاد ہیں اسلاف کی اب رُو بقفا ہے

جو قوم کہ مالک تھی علوم اور حکم کی — اب علم کا وھاں نام نہ حکمت کا پتا ہے

کھوج اُنکے کمالات کا لگتا ہے اب اِتنا — گم دشت میں اک قافلہ بے طبل و درا ہے

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی — ہے اِس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم قضا ہے

تھی آس تو تھا خوف بھی ہمراہ رجا کے — اب خوف ہے مدت سے دلوں میں نہ رجا ہے

جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتوں کے ہیں کرتوت — شکوہ ہے زمانے کا نہ قسمت کا گلا ہے

دیکھے ہیں یہ دن اپنے ہی غفلت کی بدولت — سچ ہے کہ بُرے کام کا انجام بُرا ہے

کی زیبِ بدن سب نے ہے پوشاک کتاں کی — اور برف میں ڈوبی ہوئی کشور کی ہوا ہے

درکار ہے یھاں معرکہ میں جوشن و خفتاں — اور دوش پہ یاروں کے وہی کہنہ ردا ہے

دریائے پر آشوب ہے اِک راہ میں حائل — اور بیٹھ کے گھوڑ ناؤ پہ یھاں قصدِ شنا ہے

ملتی نہیں اِک بوند بھی پانی کی جہاں مفت — وھاں قافلہ سب گھر سے تہیدست چلا ہے

یہاں نکلے ہیں سودے کو درم لیکے پُرانے ۔ اور سکہ رواں شہر میں مدت سے نیا ہے

فریاد ہے اے کشتیٔ اُمت کے نگہباں ۔ بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

اے چشمۂ رحمت بابی انت و اُمی ۔ دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے

جس قوم نے گھر اور وطن تجھ سے چھڑایا ۔ جب تو نے کیا نیک سلوک اُنسے کیا ہے

صدمہ دُرِ دنداں کو ترے جن سے کہ پہنچا ۔ کی اُنکے لئے تو نے بھلائی کی دعا ہے

کی تو نے خطا عفو ہے اُن کینہ کشوں کی ۔ کھانے میں جنھوں نے کہ تجھے زہر دیا ہے

سَو بار ترا دیکھ کے عفو اور ترحم ۔ ہر باغی و سرکش کا سر آخر کو جھکا ہے

جو بے ادبی کرتے تھے اشعار میں تیری ۔ منقول اُنھیں سے تری پھر مدح و ثنا ہے

برتاؤ ترے جبکہ یہ اعدا سے ہیں اپنے ۔ اعدا سے غلاموں کو کچھ اُمید سوا ہے

کر حق سے دعا اُمتِ مرحوم کے حق میں ۔ خطروں میں بہت جسکا جہاز آکے گھرا ہے

اُمت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن ۔ دلدادہ ترا ایک سے ایک اُنمیں سوا ہے

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدہ میں ہمارے ۔ وہ تیری محبت تری عترت کی ولا ہے

ہر چپقلشِ دہر مخالف میں ترا نام ۔ ہتھیار جوانوں کا ہے پیروں کا عصا ہے

جو خاک ترے در پہ ہے جاروب سے اُڑتی ۔ وہ خاک ہمارے لئے داروے شفا ہے

جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرف ۔ اب تک وُہی قبلہ تری اُمت کا رہا ہے

جس مُلک نے پائی تری ہجرت سے سعادت ۔ کعبہ سے کشش اُسکی ہر اک دل میں سوا ہے

کل دیکھئے پیش آئے غلاموں کو ترے کیا ۔ اب تک تو ترے نام پہ ایک ایک فدا ہے

ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمہارے
نسبت بہت اچھی ہے اگر حال بُرا ہے

گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ تجھ پہ زیادہ
اخبار میں الطالحُ لِی ہم نے سُنا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

خود جاہ کے طالب ہیں نہ عزت کے ہیں خواہاں
پر فکر ترے دین کی عزّت کا سدا ہے

گر دین کو جوکھوں نہیں ذلّت سے ہماری
اُمّت تری ہر حال میں راضی برضا ہے

عزّت کی بہت دیکھ لیں دنیا میں بہاریں
اب دیکھ لیں یہ بھی کہ جو ذلّت میں مزا ہے

ہاں حالی گستاخ نہ بڑھ حدِّ ادب سے
باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلا ہے

ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب
یہاں جنبشِ لب خارج از آہنگِ خطا ہے

تمام شد

# ترکیب بند مرتبہ سنہ ۱۸۹۲ء مطابق سنہ ۱۳۱۰ھ

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتویں جلاس میں بمقام دہلی پڑھا گیا۔

یہ خاک آج جس پر ہیں جمیع اہلِ آرا
یہاں ہو چکے کرشمے کیا کیا ہیں آشکارا

اِس باغ میں بہاریں جو جو گزر چکی ہیں
آنکھوں کے روبرو ہے گویا سماں وہ سارا

کل جشنِ فتح تھا یہاں ہے آج جشنِ شادی
ہر دم عروج پر ہے اسلام کا ستارا

بلبن کے آج مہماں خاقاں ہیں اور سلاطیں
اصطخر ہے کہ دلّی بلبن ہے یا کہ دارا

فیروز شہ کی ہے کل ٹھٹھے سے آمد آمد — دُولھا بنا ہوا ہے تزئین سے شہر سارا

تغلق کا آج لشکر تیمور کے مقابل — بہرِ مدافعت ہے میدان میں صف آرا

مغلوں کے اُڑ رہے ہیں کل جشنِ فتح و نصرت — تیمور سے زمانہ ہے برسرِ مدارا

آتا ہے آج بابر لودی پہ فتح پاکر — ہیں شوق شاہِ نو میں پیر و جوان خود آرا

کل سوریوں میں ہر سو بجتے ہیں شادیانے — مغلوں کا آ رہا ہے گردش میں کچھ ستارا

ہے جشنِ فتح پھر آج چغتائیوں میں برپا — اقبال نے ہے گویا مغلوں سے قول ہارا

جس دھوم سے ہے گھر گھر جشنِ جلوسِ اکبر — ہے گرد اُسکے آگے جشنِ قباد و دارا

شاہِ جہاں خوشی سے پھولا نہیں سماتا — تعمیر ہو چکے ہیں شہر و فصیل و بارہ

تیاری اس خوشی میں جشنِ عظیم کی ہے — گویا کہ ہے جہاں میں جشنِ سدہ[۱] دوبارا

اطرافِ ہند سے ہیں اعیانِ ملک آئے — پاکر حضورِ شہ سے سب جشن کا اشارا

ارکانِ سلطنت ہیں سب پایۂ تخت حاضر — بالائے تخت طاؤس ہے شاہ جلوہ آرا

وہ جشن کرنیوالے گو خاک میں نہاں ہیں
پر جشن اُنکے اب تک سب زیبِ داستاں ہیں

اے خاکِ پاک دہلی اے تختگاہِ شاہاں — پیشِ نظر ہیں تیرے سب اگلے ساز و ساماں

ہنگامے اِس زمیں پر لاکھوں ہیں گرم ہر سو — پر کوئی جشنِ قومی آتا نہیں نظر یہاں

[۱] سدہ آگ کو کہتے ہیں جشنِ سدہ وہ جشن ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے اول جمشید نے پتھر میں سے آگ نکلنے کی خوشی میں بڑی دھوم سے ایران میں کیا تھا

تقریبِ جشن جس میں ہو کچھ نہ جز اخوّت — ملکوں سے جمع آکر جس میں ہوئے ہوں اخواں
پائین و صدر کا ہو جس میں نہ کچھ تفاوت — خرد و بزرگ کی ہو جس میں نشست یکساں
جن کو نہ ہو بلاوا حاکم کا اور نہ قدغن — لایا ہو کھینچکر دل انکو نہ حکمِ سلطاں
خادم ہوں جسقدر وہاں مخدومِ قوم کے ہوں — مخدوم جتنے ہوں وہاں سب قوم پر ہوں قرباں
خاطر کسی سے چاہے کوئی نہ وہاں تواضع — ہوں خود ہی میزباں وہ اور خود ہی ہوں وہ مہماں
ٹھہرائیں جسکو چاہیں وہ آپ میرِ مجلس — چاہیں جنھیں بنائیں وہ آپ میر ساماں
آئے ہوں اس غرض سے سب ملکے تاکہ سوچیں — دنیا میں کس طرح ہوں سرسبز پھر مسلماں
ہندوستاں میں کیونکر باقی رہے نشانی — اُس قوم کی کہ تھا کل جن کے وہ زیرِ فرماں
نکلیں تو کیونکہ نکلیں ذلت سے وہ گھرانے — اعزاز نے تھا باندھا جن کے بڑوں سے پیماں
اُن مدرسوں کا کیونکر جاری رہے افاضہ — جن کے سبب سے زندہ نامِ حدیث و قرآں
جو مسجدیں ہیں بہرِ ذکرِ خدائے واحد — محفوظ حادثوں سے کیونکر ہوں اُنکے ارکاں
جو کچھ ہے بھائیوں کی تقدیر میں وہ سر پہ — اپنی طرف سے لیکن ہے سعی فرضِ انساں
اے شہ نشینِ اسلام اے معدنِ سلاطیں — اے پایۂ تختِ سادات اے دارِ ملکِ مغلاں

تو جشن گاہِ شاہاں ہر عہد میں رہا ہے
ایسا بھی جشن کوئی تجھ میں کبھی ہوا ہے

شاہوں کے جشن تھے وہ یہ جشن قوم کا ہے — شوکت میں وہ بڑے تھے عظمت میں یہ بڑا ہے
دولت کے تھے وہ جلوے ملّت کا ہے یہ نقشہ — کاغذ کی تھیں وہ ناویں بیڑا یہ نوح کا ہے

بے روح تھے وہ قالب ہے اسمیں روح خوشی — موجِ سراب تھے وہ یہ چشمۂ بقا ہے
میلے نہ وہ بچھڑتے روح انکیں گر یہ ہوتی — رہتا ہے آندھیوں میں روشن یہ وہ دیا ہے
وہ دن گئے کہ نازاں تھی قوم سلطنت پر — اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے
بس سلطنت یہی ہے مل بیٹھنا ہمارا — یہ چھوت نہ سمجھو سر پر یہ سایۂ ہما ہے
گم گشتہ بخت جسکو پھرتے ہیں ڈھونڈتے ہم — لگتا ہے کچھ تو اُسکا لگتا نہیں پتا ہے
وہ مشکلیں کرینگے اب حل ہمیں تمہیں کچھ — جن مشکلوں کا ہم کو اور تم کو سامنا ہے
ہم میں اگر مخالف کچھ ہوں اس انجمن کے — معذور ہیں وہ اُنسے شکوہ نہ کچھ گلا ہے
فوج کمک کو اکثر سمجھا ہے فوجِ دشمن — حملہ کمک پہ اپنی اپنوں نے خود کیا ہے
نادم ہوئے ہیں لیکن روشن ہوا ہے جب دن — اِنساں سے یہ ہمیشہ ہوتی رہی خطا ہے
قدر ایسی مجلسوں کی مدت میں ہوگی ہم کو — اب تک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے
ہوتی ہے قدر انکی بنتی ہے جان پر جب — لاتے ہیں تب پناویں جب بیڑا ڈوبتا ہے
گو سب جہاز والے خطرے سے بے خبر ہیں — پر رنگ ناخدا کا کچھ فق ہوا ہو رہا ہے

آفاتِ بحر سے ہیں ناواقف آشنا سب
ہنستے ہیں ناخدا پر روتا ہے ناخدا جب

گلشن میں فصلِ گل کے سب مٹ چکے نشاں ہیں — پر چین سے عنادل گلشن میں نغمہ خواں ہیں
طاؤس و کبک خوش خوش گلشن میں ہیں خراماں — اور بیٹھے ہاتھ ملتے گلچین و باغباں ہیں
غفلت کی چھا رہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی — بے فکر و بے خبر ہیں بوڑھے ہیں یا جواں ہیں

اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں — رستہ کدھر ہے انکا اور جا رہے کہاں ہیں

فضل و کمال انکے کچھ تم میں ہوں تو جانیں — گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گنگا — کچھ کر لو نوجوانو! اٹھتی جوانیاں ہیں

تم سے بھلے تو تھامو عزت کو قوم کی کچھ - — اپنے تو قافلے سب پا در رکاب یہاں ہیں

اک خضر رہ نے رستہ سیدھا بتا دیا ہے — رستے پہ دیکھیں چلتے اب کتنے کارواں ہیں

خدمت میں انکے حالی کہتا ہے یہ ادب سے — اسوقت رونق افزا یہاں جتنے مہرباں ہیں

دنیا میں گر ہے رہنا تو آپ کو سنبھالو — ورنہ بگڑنے کے یہاں آثار سب عیاں ہیں

عرصہ ہوا کہ ہمکو آنکھیں دکھا رہے ہیں — قدرت کے قاعدے جو دنیا پہ حکمراں ہیں

جو اپنے ضعف کا کچھ کرتیں نہیں تدارک — قومیں وہ چند روزہ دنیا میں میہماں ہیں

گھڑیال اور نگرمچھ ہیں انکو نگلے جاتے — دریا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتواں ہیں

سنبھلو۔ وگرنہ رہنا یہاں اس طرح پڑیگا — بھیل اور گونڈ جیسے گمنام و بے نشاں ہیں

یہ غفلتیں مبادا اب روزِ بد دکھائیں +
دھندلے سے کچھ نشاں ہیں ڈر ہے کہ مٹ نہ جائیں

# قطعہ

## جو یتیموں کی حالت پر انجمن مؤید الاسلام دہلی میں ۱۳۱۱ھ ہجری میں پڑھا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام بہت دن سے یہ کرتا تھا منادی
اے غافلو! اے بیخبرو! ہوش میں آؤ

فارغ غمِ اُمّت سے اور اسلام کا دعویٰ
دنیا کو بس اب دین پہ اپنے نہ ہنساؤ

صُورت تو ہے سب دین کی سیرت نہیں اُسکی
یہ دین ہے یا دین کا ہے سانگ؟ بتاؤ

مقبول نہ حج ہیں نہ نمازیں ہیں نہ روزے
جبتک غمِ اُمت میں نہ جاں اپنی گھلاؤ

دعویٰ نہیں مسموع گواہی نہو جبتک
ہے دین کا دعویٰ تو شہادت کوئی لاؤ

گر اپنے یتیموں کی خبر لے نہیں سکتے
تو دین سے تم قطعِ تعلّق کرو جاؤ

اعضا تو نمازوں میں بہت تم نے دُکھائے
دل کو بھی کبھی ہاتھ سے کچھ دیکے دُکھاؤ

دنیا میں جراحت یہی عقبیٰ میں ہے راحت
کل پھل کوئی کھانا ہے تو تخم آج اُٹھاؤ

یہ قوم کے بچّے جو پڑے پھرتے ہیں بیکس
یہ پود ہے میری اسے دیکھو نہ گنواؤ

شیریں ہے پھل ان پودوں کا اور سایہ ہے گھنکا
سیوا کرو انکی اِنھیں پروان چڑھاؤ

دیکھو نہ حقارت سے پھٹے کپڑوں کو ان کے
سنولائے ہوئے چہروں میں نور انکے ہے تاباں
ہیں ان میں فقیہ ان میں حکیم ان میں محدث
جو انمیں ہیں جوہر کہیں زنگ انکو نہ کھا جائے
افواجِ مخالف ہیں تگ و دو میں جٹی پر اس
پھرتے ہیں بہت گھات میں یہاں انکی شکاری
اے یارو یہ بے غیرتی اور دین کا دعویٰ
امت کے یتیموں کو ہو انجیل کی تعلیم
تثلیث کی پاتے ہوئے دیکھو انھیں تلقین
گرجا میں حریف انکو سکھائیں جری توہین
جن بچوں کو بیٹوں کی طرح چاہیے رکھنا
کھانے کی بھی کپڑے کی بھی لیں انکی خبر غیر
اپنا تمھیں وہ جان کے گر راہ میں ٹھٹکیں
اسلامیو! بے مہریاں آخر یہ کہاں تک
بیکس نہ گنوا انکو۔ یہ کنبہ ہے خدا کا
عبرت کی جگہ ہے ڈرو گردش سے فلک کی
بن باپ کا بنتے ہوئے لگتی نہیں کچھ دیر

ان گدڑوں میں ہیں جو لعل ہیں نہاں انھیں پاؤ
ان کوئلوں کو ہیرے جلا دیکے بناؤ
انکی بری حالت پہ۔ بری گت پہ نہ جاؤ
گن دیکھنے ہیں انکے تو زنگ انکا چھڑاؤ
رند جائیں نہ یہ خاک سے جلد انکو اٹھاؤ
ان پنچھیوں کو موت کے چنگل سے بچاؤ
دینداری کا اور دین کا بس موںھ نہ چڑاؤ
اور اپنی تم اولاد کو قرآن پڑھاؤ
اور اپنے جگر گوشوں کو توحید سکھاؤ
اور کان نہ توہین پہ تم میری ہلاؤ
ہاتھ آئیں تمھارے تو غلام انکو بناؤ
اور تم نہ کبھی بھول کے آنکھ ان سے ملاؤ
تم غیروں کی مانند گذر پاس سے جاؤ
جو موںھ کو تمھارے تکیں آنکھ ان سے چراؤ
تم پھیر کے موںھ انسے خدا کو نہ رٹھاؤ
اولاد کو اپنی نظرِ بد سے بچاؤ
غیرت کو بس اللہ کی۔ حرکت میں نہ لاؤ

اُمّت میں ہو تم اسکی جو اُمّت پہ فدا تھا
تو تم بھی عزیزو اسی اُمّت سے لگاؤ

جو خُلق تھا ہر بیکس و ناچار سے اُس کا
اخلاق میں کچھ اُسکی جھلک تم بھی دکھاؤ

کُڑھتا تھا وہ جس طرح مصیبت پہ ہر اک کی
جی تم بھی مصیبت پہ یونہیں سب کی کُڑھاؤ

وہ جیسا غریبوں کا یتیموں کا تھا عاشق
تم بھی اُنھیں آنکھوں پہ اُسیطرح بٹھاؤ

ٹوٹے ہوئے دل ہیں یہ گزرگاہ خدا کی
ملنا ہے خدا سے تو اسی راہ سے جاؤ

مدّت سے یہ تھا دے رہا اسلام دوہائی
اور کہتی تھی غفلت نہ اُدھر کان لگاؤ

بارے سُنی احباب نے اسلام کی آواز
اور ملکے کیا عہد کہ کچھ کرکے دکھاؤ

جو نشۂ غفلت میں ہیں چور اُنکو جھنجھوڑو
اور نیند کے متوالے ہیں جو اُن کو جگاؤ

بھولے ہوئے جو روزے نمازوں پہ ہیں اپنے
اِسلام کی فریاد اُنھیں چلکے سُناؤ

قبل اسکے کہ حج کا کریں کعبے کے ارادہ
حج ہند میں جو اُنپہ ہے فرض اُنکو بتاؤ

بن باپ کے بچوں کے ہیں ٹوٹے ہوئے جو دل
کعبہ کی طرح گرد طواف اُن کے کراؤ

اِمداد پہ اُن کی کرو کل قوم کو مجبور
دل دُکھتے. اگر اس میں کسی کا تو دکھاؤ

قائم کرو اِک انجمن اخوانِ صفا کی
اور بیڑا یتیموں کی حمایت کا اُٹھاؤ

صد شکر ہوئیں کوششیں احباب کی مشکور
پھل دیکھنے نیت کے ہوں گر اُنکی تو آؤ

فیاضیاں جو قوم کے غمخواروں نے کی ہیں
دیکھو اُنھیں اور بھائیوں کو جاکے سُناؤ

باقی ہیں ابھی قوم میں کچھ قوم کے غمخوار
اِس شکر میں تم حمد خداوند کی گاؤ

اِسوقت کہ نازک ہے بہت قوم پہ یہ وقت
جو قوم کا غمخوار ہو خیر اُس کی مناؤ

ہے چار طرف قوم میں انفسی نفسی
رحمت ہے خدا کی یہ عزیزوں کی جماعت
دے قوم سہارا تو یہ ہے نوح کی کشتی
سرچشمہ سے ہوتی نہیں پانی کی جب آمد
جوتی ہے یہ یاروں نے بھروسے پہ تمہارے
ہیں قوم کی غفلت نے بہت کھیل بگاڑے
مجلس کو ابھی کام بہت کرنے ہیں باقی
دو چار کے دس پانچ کے بس کا نہیں یہ کام
مجلس کہیں جی چھوڑ نہ دے ہو کے ہراساں
گو کام ہے دشوار یہ مردوں کو ہے آساں

لو اُنکے قدم خود غرضی جن میں نہ پاؤ
پر اسکی خوشی میں ابھی بغلیں نہ بجاؤ
پر قوم نہ کھیوے تو یہ کاغذ کی ہے ناؤ
دم بھر میں اُتر جاتا ہے دریا کا چڑھاؤ
کیونکر چلے جب تم ہی یہ گاڑی نہ چلاؤ
تم اسکے جہاں چاہو۔ نشاں دیکھ لو۔ جاؤ
دو اُنکو مدد کام میں اور ہاتھ بٹاؤ
سر جوڑ کے اس کام میں سب زور لگاؤ
اس ناؤ کو جس طرح بنے پار لنگھاؤ۔
کرنا ہے گر اس کام کو پورا کئے جاؤ

# صدائے گدایان قوم[۱]

ڈھونڈھنے خضرِ مبارک پے کو یہاں آئے ہیں ہم
ڈر ہے جو خوش دل ہیں وہ سُنکر نہ ہوں تم مردہ دل
ہند میں اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چمن -
علم جو زندہ کیا تھا آپکے اجداد[۲] نے
قوم کھو بیٹھی ہے جو عباسیوں کی یادگار
تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا
خود غرض ٹھہرائیں یا مکّار ہم کو یا گدا
فخر سب بیجا ہیں اُنکے قوم ہے جن کی ذلیل
ہے بنی ہاشم کی یہاں پروری ضرب المثل

چھوڑ کر بھٹکا ہوا اِک کارواں آئے ہیں ہم
سخت عبرت خیز لیکر داستاں آئے ہیں ہم
لیکے اُسکا افسردہ فصلِ خزاں آئے ہیں ہم
آج اِس در پر اُسی کے نوحہ خواں آئے ہیں ہم
جستجو میں اُسکی مشعل لیکے یہاں آئے ہیں ہم
اِسلئے ڈالے گلے میں جھولیاں آئے ہیں ہم
ذلّتیں یہ کرکے سب خاطر نشاں آئے ہیں ہم
فخر و عزت کے مٹا کر سب نشاں آئے ہیں ہم
اِسلئے یہاں بِن بلائے میہماں آئے ہیں ہم

تشنگی اپنی بجھاتی ہوگی اے آبِ حیات +
لیکے مُونھ میں قوم کی سُوکھی زباں آئے ہیں ہم

۱ پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت لوگوں نے جنھوں نے اپنی جماعت کا نام "گدایانِ قوم" رکھّا تھا ریاست بہاولپور میں چندہ وصول کرنے کے لئے جانے کا ارادہ کیا تھا اور اُنکا قصد رئیس کے حضور میں یہ اشعار پڑھنے کا تھا لیکن غالباً اُنکا جانا نہیں ہوا +

۲ چونکہ رئیس بہاولپور بنی عباس میں سے ہیں اور عباسیوں کے عہد میں علم کو بہت ترقی ہوئی تھی اِسلئے یہ مضمون اِس طرح ادا کیا گیا +

# اشتہار

## دیوانِ حالی مع مقدّمہ متضمّن ماہیّتِ شعر و شاعری

دیوانِ اُردو مشتمل بر قطعات و غزلیات و ترکیب بندات و رباعیات وغیرہ
اور اسکے اول میں ایک مبسوط مقدّمہ جس میں شاعری کی حقیقت
اور اُسکے حُسن و قبح پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ از تصانیف جناب مولانا
مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی چھپکر تیار ہو گیا ہے
جن صاحبوں کو خریدنا ہو راقم کے پاس درخواست ارسال فرمائیں
فوراً ویلیو پی ایبل پارسل کے ذریعہ سے روانہ کیا جائیگا +

دیوانِ حالی۔ کاغذ ولایتی لوح میناکاری بر کاغذ چرمی ..... صہ،

دیوانِ حالی کاغذ ولایتی لوح سادہ بر کاغذ آبی ...... ے،

دیوانِ حالی۔ کاغذ سیرامپوری لوح سادہ بر کاغذ آبی .... عمان

مثنوی حقوق اولاد .......... ۲ر۶ پائی

مناجاتِ بیوہ .......... ۲ر

الراقم

سید عبد العلی مقیم حویلی میر افضل مرحوم متصل کوچہ پنڈت شہر دہلی

# مثنوی حقوق اولاد



مطبع افتخار ... ابراہیم کے اہتمام سے چھپی

دفعہ ہفتم تعداد ... محصولڈاک



# مثنوی

# حقوق اولاد

سنہ ۱۹۰۵ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# حقوق اولاد

لاڈلا بیٹا تھا اِک ماں باپ کا — جان ماں کی اور ایمان باپ کا

دیکھ اُسے ہوتے تھے دونو باغ باغ — تھا وہی لے دیکے اُس گھر کا چراغ

بال بیکا اُس کا ہوتا تھا اگر — دل کو رہجاتے تھے دونو تھام کر

ہر طرح اُسکی رضا مقصود تھی — جان تک اُسکے لئے موجود تھی

وقف تھی سب اُسپہ دولت اور مال — پر نہ تھا تعلیم کا اُسکی خیال

روک ٹوک اُسکی کسی نے کی نہ تھی — باپ نے جھڑکی تک اُسکو دی نہ تھی

گھور سے واقف نہ تھا اُستاد کی — شکل دیکھی ہی نہ تھی جلاد کی

راہ سے مکتب کی کتراتا تھا وہ — نام سے پڑھنے کے گھبراتا تھا وہ

لکھنے پڑھنے کی نہ تھی ترغیب کچھ — گوشمالی تھی نہ تھی تادیب کچھ

تربیت کے بدلے لاڈ اور پیار تھا — لہو و بازی میں سدا سرشار تھا

کھیل میں کرتا تھا یہ برباد آپ کو — اور کچھ پروا نہ تھی ماں باپ کو

جانتے تھے گھر میں ہے دولت بہت — لکھنے پڑھنے کی نہیں حاجت بہت

نوکری کرنی نہیں اسکو تلاش — ہے اسی کے واسطے ساری معاش

گو رہے بے علم اور نادان یہ — پر کسی صورت چڑھے پروان یہ

پیروی کی اک خیالِ خام کی — فکر دونوں نے نہ کی انجام کی

جب ہوا وہ ناز پروردہ جواں — رنگ لائیں اُنکی بے پروائیاں

آپڑا اُسکا وہی آخر کو رنگ — لاڈلے بیٹوں کا جو ہوتا ہے ڈھنگ

سامنا ماں باپ کا کرنے لگا — ہمسری کا اُنکی دم بھرنے لگا

حق تو اُنکے اِس سے کیا ہوتے ادا — اور ناراض اُنکو وہ رکھنے لگا

تھیں ادائیں اُسکی اکثر ناپسند — کارگر اُسکو ملامت تھی نہ پند

جہل و نادانی کی تھیں طغیانیاں — رات دن کرتا تھا نافرمانیاں

اِسکو صحبت تھی تو تھی اغیار سے ‏ — اُسکی ہلت تھی تو تھی انفار سے

شہر میں آوارہ کہلاتا تھا وہ ‏ — چوک میں پاتا تھا جب پاتا تھا وہ

خوف ہوتا تھا نصیحت کا جہاں ‏ — جا کے بھولے سے نہ پھرتا تھا وہاں

پند سے ناصح کی نفرت تھی اُسے ‏ — سایہ سے اچھوں کے وحشت تھی اُسے

گھر میں آ اِک اِک سے لڑ جاتا تھا وہ ‏ — باتوں باتوں میں بگڑ جاتا تھا وہ

نفس پر اپنے نہ کر سکتا تھا جبر ‏ — نام کو اُسمیں تحمل تھا نہ صبر

دل پہ قابو زینہار اُسکو نہ تھا ‏ — اور زباں پر اختیار اُسکو نہ تھا

جو وہ کرتا تھا اُسے بھرتے تھے سب ‏ — اُس سے چھوٹے اور بڑے ڈرتے تھے سب

اصل میں کچھ بد نہ تھی اُسکی سرشت ‏ — کر دیئے تھے جہل نے اطوار زشت

گو نہ مطلق آدمیت اُسمیں تھی ‏ — پر جھلکتی قابلیت اُسمیں تھی

بد چلن تھا پر نہ تھی طینت بری ‏ — فطرت اچھی تھی مگر عادت بُری

چڑھ رہا تھا اُسپہ بد صحبت کا رنگ ‏ — لگ رہا تھا روشن آئینہ کو زنگ

ذات میں اُسکی شرارت تھی نہ شر ‏ — ہو گیا تھا بد بدوں میں بیٹھ کر

جب گئی حالت بگڑ حد سے سوا | آگیا دم ناک میں ماں باپ کا

باپ نے اک روز گھر میں بیٹھکر | یوں کہا بیٹے سے اے جانِ پدر

یاد ہیں وہ دن بھی تم کو یا نہیں | جبکہ یہ رعنائیاں تم میں نہ تھیں

جب خبر اپنی نہ تھی کچھ آپ کو | جانتے تھے تم نہ ماں اور باپ کو

پاسباں تھے آپ کے ماں باپ جب | گوشت کا اک لوتھڑا تھے آپ جب

ہل نہ تم سکتے تھے بے اِمداد غیر | تھے نہ یہ اُڑنے کے پر چلنے کے پیر

ہاتھ اور بازو یہ سب بیکار تھے | سخت بے بس تم اور ناچار تھے

آنکھ سے چیپڑ چھڑا سکتے نہ تھے | مونھ سے مکھی تک اُڑا سکتے نہ تھے

آگ پانی میں نہ تھی تم کو تمیز | تھا تمہیں زہر اور امرت ایک چیز

رات دن یکساں بسر اتھا تمہیں | دھوپ اور سایہ برابر تھا تمہیں

بھوک میں بے چین ہو جاتے تھے پر | اپنی بے چینی سے تھے تم بے خبر

پیاس لگتی تھی تو روتے تھے سدا | مانگنا پانی مگر آتا نہ تھا

کھا لیا جو کچھ دیا تم کو کھلا | پی لیا جو کچھ دیا تم کو پلا

تلخ و شیریں میں نہ تھا کچھ امتیاز — اس سے رغبت تھی نہ اس سے احتراز

یہ زباں ڈوری کہیں ہلتا نہ تھی — تھی زباں منھ میں مگر گویا نہ تھی

سب کو رو رو کر جگاتے تھے مگر — اپنے رونے کی نہ تھی تم کو خبر

تھی نہ اپنے نفع و نقصان کی سمجھ — درد کی شدت تھی نہ درماں کی سمجھ

دیتے تھے بہر شفا دارو اگر — سر پہ رو رو تم اُٹھا لیتے تھے گھر

گرمی اور سردی میں جب کپڑے تمہیں — ہم پنہاتے تھے تو کرتے تھے ضدیں

کیچڑ اور گارے سے نفرت کچھ نہ تھی — اور نجاست سے کراہت کچھ نہ تھی

وھاں اگر ہوتا نہ دم ماں باپ کا — کون رکھوالا تھا اُس دم آپ کا

دل کا کہہ سکتے نہ تھے تم مدعا — جانتے تھے کچھ نہ رونے کے سوا

بھوکے یا پیاسے اگر ہوتے تھے تم — کچھ نہ کہتے تھے مگر روتے تھے تم

ہم سمجھ لیتے تھے لیکن مدعا — بھوک کا رونا ہے یا ہے پیاس کا

پیاس میں مضطر جو پاتے تھے تمہیں — بن کہے پانی پلاتے تھے تمہیں

بھوک میں گر دیکھتے تھے بیقرار — دودھ تھے تمکو پلاتے بار بار

روپ تھے معلوم سارے آپ کے
سب سمجھتے تھے اشارے آپ کے

تم کو کچھ تکلیف ہوتی تھی اگر
خود بخود تھی دل کو ہو جاتی خبر

چین ہو جاتا تھا سارا برطرف
پھرتے تھے بیتاب دوڑے ہر طرف

حالتیں سب تھے تمہاری جانتے
آپ کے تیور تھے ہم پہچانتے

ہوتے تھے بیمار دور از حال جب
رات دن سہتی تھی ماں رنج و تعب

بارہا آنکھوں میں کٹ جاتی تھی رات
اِک بلا آتی تھی جب آتی تھی رات

ڈرتے تھے تم غیر عورت سے سدا
ماں کی گودی سے نہ ہوتے تھے جدا

اوپری صورت سے تم تھے بھاگتے
دودھ ہرگز غیر کا پیتے نہ تھے

پر کبھی تم سے دریغ اسکو نہ تھی
گر تمہارے کام آتی جان بھی

آج بیماری سے فرصت تھی کل
آج چیچک کل تھا پسلی کا خلل

کرتے تھے سیانوں کی جا منتیں
مانتے تھے نت ہزاروں منتیں

ناز اٹھاتے تھے طبیبوں کے سدا
ڈھونڈتے پھرتے تھے شربت اور دوا

عامل اور سیانوں نے جو مانگا دیا
مونھ نہ پیسے کا کبھی ہم نے کیا

سخت بیماری کو جب پاتے تھے ہم
رات اور دن ماں لگ تھی بیقرار
اللہ آمیں کر کے ہم لیتے تھے نام
آنکھ پڑ آتا تھا گر میں آپ کے
چاہتے تھے تمکو خوش آٹھوں پہر
آپ کی خاطر اُٹھائے دُکھ پہ دُکھ
ہمپہ گزریں کیسی کیسی سختیاں
آئیگی خدمت ہماری یاد جب
کی چھٹی ہم نے تمہاری جس طرح
مونڈن اور ختنہ کیا کس دھوم سے
ہو چکی جب رسم بسم اللہ کی
تم کو مکتب میں بٹھانا چاہئے
پر یہ مانا دل نے اپنے زینہار

فکر کے مارے گھلے جاتے تھے ہم
باپ پھرتا تھا الگ زار و نزار
کرتے تھے دم تم پہ سورے صبح و شام
دم پہ بنجاتی تھی ماں اور باپ کے
تم سپورے اور بھی بھان چاہیئے پر
دس برس تک ایک دن پایا نہ سُکھ
گزریں دشمن پہ نہ ایسی سختیاں
ہو گئے تم خود صاحب اولاد جب
کی ہو شاید ہی کسی نے اِس طرح
شہر کو کھانا دیا کس دھوم سے
لائے تھی اُسوقت ایک اِک کی بھی
پڑھنے لکھنے پر لگانا چاہئے
ڈالئے اِس عمر میں تم پر یہ بار

ایک دو بار امتحاں کے طور پر
تم کو مکتب میں جو دیکھا بھیجکر

سارے دن بیکل تمہاری ماں رہی
اور پڑی تم میں ہماری جاں رہی

پھر تمہارا ہمنے جب دیکھا یہ حال
تمکو ہے جانے سے مکتب کے ملال

جاتے ہو جب بے مزا ہوتے ہو تم
گھڑیوں ضد کرتے ہو اور روتے ہو تم

جلد مکتب سے اُٹھا ہم نے لیا
آپکے دل پر نہ میل آنے دیا

دل میں سمجھا ہو نہ جب بچے کو شوق
لطف پڑھنے میں اُسے آئے اور نہ ذوق

بھیجنا مکتب میں ہے اُسکو ستم
باز آئے ایسے پڑھوانے سے ہم

اپنی رُت پر آپ بڑھ چڑھ لوگے تم
وقت جب آئیگا خود پڑھ لوگے تم

دوستوں نے ہم کو سمجھایا بہت
اپنے بیگانوں نے ہلسایا بہت

کھیل کی جب لگ گئی بچہ کو چاٹ
ہو گیا جی پڑھنے لکھنے سے اُچاٹ

کارگر ہو اُسکو پند اور قید کیا
اُسکے پڑھنے کی ہے پھر اُمید کیا

یوں سنورنے کا نہیں زنہار یہ
حق میں ہے زہر اسکے لاڈ اور پیار یہ

پیار سے سمجھے تو یوں سمجھاؤ تم
ورنہ اُٹھتے بیٹھتے دھمکاؤ تم

وقت یہ اغماض کرنے کا نہیں
ایکا بگڑا پھر سنورنے کا نہیں

کہتے تھے اپنے پرائے سب یہی
آتی تھی آواز روز و شب یہی

تم کو لیکن ہم نے جھڑکی تک نہ دی
جبر کرنے کو کبھی چاہا نہ جی

سن تمہارا جب زیادہ کچھ ہوا
پھر پڑھانے کا ارادہ کچھ ہوا

ایک مُعلّم رکھا اور اِک خوشنویس
یاد ہوگی تم کو اُن دونوں کی فیس

ایک کو پانچ ایک کو ملتے تھے دس
یہ رہے نوکر برابر دس برس

اپنے اپنے فن میں تھے ہشیار یہ
پر رہے دونوں سدا بیکار یہ

گرچہ تھی تاکید دونوں کی شدید
پر نہ دی تم نے کبھی اُنکو رسید

تمکو کب فرصت تھی کود اور پھاند سے
بھاگتے تھے تم نوشت و خواند سے

مُفت کی تنخواہ وہ پاتے رہے
نام کو ہر روز یہاں آتے رہے

تم نے آخر جب کچھ پڑھ کر دیا
دیکے کچھ دونوں کو رخصت کر دیا

ہم نے یہ سمجھا کہ کوشش ہے فضول
ساری تدبیریں ہیں اپنی بے اصول

لکھنا اور پڑھنا ہے سب تقدیر کا
تنگ ہے یہاں قافیہ تدبیر کا

جب ہوئے فضلِ الٰہی سے جواں ۔۔۔ سر پہ شادی کا چڑھا بارِ گراں

منگنیاں ہوتی ہیں اکثر قوم میں ۔۔۔ بیاہ ہوتے ہیں برابر قوم میں

کچھ بہت درکار ہے زیور نہ نقد ۔۔۔ ہوتے اک شربت کے پیالہ پر ہیں عقد

گر کفایت سوچتے کچھ خرچ میں ۔۔۔ بیاہ دیتے بس یونہی ہم بھی تمہیں

اپنے دل میں پر یہی ہم نے کہا ۔۔۔ ایک بیٹا اور وہ بھی لاڈلا

گو تمام املاک بک جائے مگر ۔۔۔ خرچ کیجے بیاہ میں دل کھول کر

کی اگر یہاں بھی کفایت پر نگاہ ۔۔۔ اور ہم کو کون سے کرنے ہیں بیاہ

وقت یہ آنے نہیں پھر بار بار ۔۔۔ کل خزاں ہے آج اگر یہاں ہے بہار

ہے فراغت اور عسرت ساتھ ساتھ ۔۔۔ کر لیں کچھ ہم بھی کہ اب چلتا ہے ہاتھ

ٹھان کر یہ جی میں دی شادی رچا ۔۔۔ اپنے سے جو ہو سکا سب کچھ کیا

گر نہ یاد اپنا رہا ہو تم کو بیاہ ۔۔۔ شہر کے چھوٹے بڑے ہیں سب گواہ

رات دن جلسہ تھا ناچ اور رنگ کا ۔۔۔ غلغلہ تھا ڈھولک اور مردنگ کا

دیکھنے آتی تھی خلقت جھوم جھوم ۔۔۔ دور تک اس بیاہ کی پہنچی تھی دھوم

دور سب کے دل سے رنج و غم رہا | بیس دن تک یہاں یہی عالم رہا

جانتے ہیں قوم کے برنا و پیر | آج تک دیتے ہیں سب اُسکی نظیر

کی نہ دینے میں کفایت پر نظر | جس کو دینا تھا دیا دل کھولکر

اگلی اور پچھلی۔ پُرانی اور نئی | شہر کی اِملاک ساری بک گئی

قرضہ تھا نقدی کا باقی جسقدر | گو ہوئی اُس سے سبکدوشی۔ مگر

رہن تھے جو گاؤں شادی میں کئے | آج تک بے چین ہوں اُنکے لئے

ہے بہت اُنکے چھٹانے کا خیال | پر بظاہر اُنکا چھٹنا ہے محال

اب بہت نازک ہے حالت باپ کی | پہنچی یہ نوبت بدولت آپ کی

مال اور جاں سے زیادہ کوئی چیز | آدمی کو یہاں نہیں ہوتی عزیز

جان سے بھی ہم رہے خدمت گزار | مال بھی ہم نے کیا تم پر نثار

تم نے جو چاہا کھلایا وہ تمہیں | تم نے جو مانگا پنھایا وہ تمہیں

گھوڑے چڑھنے کے لئے تمکو دئے | رکھے خدمت گار خدمت کیلئے

شوق جو اچھا بُرا تم نے کیا | ہم نے بھی تائید کی اُسکی سدا!

خوب تم نے قدر کی ماں باپ کی — خوب خدمت کی ہماری داد دی

تھا نتیجہ جاں فشانی کا یہی — تھا صلہ سوزِ نہانی کا یہی

باپ کا تم کو ادب اصلا نہیں — ماں کی خدمت کی تمہیں پروا نہیں

گھر میں دو دن نہیں آتے ہو تم — آتے ہو اک اک سے لڑ جاتے ہو تم

لوگ شاکی ہیں تمہارے جابجا — خود برا کہہ کے سنتے ہو برا

ہیں تمہارے سارے اوباشوں کے ڈھنگ — تم سے خردوں اور بزرگوں کو ہے ننگ

ملنے والے ہیں تمہارے بادہ خوار — اور جواری ہیں تمہارے دوستدار

مرغ ہم نے بھی لڑائے ہیں بہت — اور کبوتر بھی اڑائے ہیں بہت

پر ہمارا حال تم جیسا نہ تھا — خبط تھا ہم کو بھی پر ایسا نہ تھا

اپنے سب کاموں کو جب بھگتا لیا — دو گھڑی اس میں بھی دل بہلا لیا

تم تو دنیا اور دین سب چھوڑ کر — ہو انہیں دھندوں میں غرق آٹھوں پہر

ہے غرض ایسی ہی جو ہی تمکو دھت — فکرِ دنیا ہے نہ فکرِ آخرت

ہم پہ سب ہنستے ہیں اشراف و رذیل — کر دیا تم نے تو ہم کو بھی ذلیل

کر چکا تھا قرض پہلے ہی زبوں
اور تم نے کر دیا عزت کا خوں

موںھ نہیں ہوتا کسی کے روبرو
خاک میں تم نے ملا دی آبرو

بہتر اپنا یہاں سے اٹھ جانا ہے اب
رہ گیا پھر کیا گئی عزت ہی جب

باپ کا تم جانتے ہو اپنے حال
قرض میں جکڑا ہوا ہے بال بال

ہاتھ میں زر ہے نہ بازو میں ہے زور
مار کر فکروں نے کر ڈالا ہے بھور

کام کی باقی نہیں اپنے میں تاب
مدتوں سے دے چکی ہمت جواب

گور میں لٹکائے بیٹھے پانو ہیں
جا کے اب بن میں بساتے گانو ہیں

آپ میں ہوتا اگر کچھ حوصلا۔
آدمیت کا تھا اب یہ مقتضا

سر یہ لیتے اپنے گھر کا بوجھ ٹک
باپ کو فکروں سے کر دیتے سُبک

ہم رہے جیسے فدا تم پر مُدام
تم بڑھاپے میں ہمارے آتے کام

ہم رہے اب تک تمہارے سر براہ
اب ہمارے بنتے تم پشت و پناہ

ہم بھی یہاں سُکھ پاتے کچھ اولاد کا
نام چلتا دیکھتے اجداد کا

پر خدا کو تھا یہی منظور آہ
ہوتے وارث کے ہو گھر اپنا تباہ

جب کریں دنیا سے آہنگ سفر
ہم بھر اگھر جائیں ویراں چھوڑ کر

خیراب ہم کو یہاں رہنا ہے کم
کوئی دن کے اور ہیں مہمان ہم

پر تمہیں ہے کاٹنی اک عمر یہاں
ہو ابھی فضلِ الٰہی سے جواں

اب بھی اپنی حرکتوں سے باز آؤ
ڈھیل پر بازیٔ دوراں کی نہ جاؤ

بس گئیں حد سے گزر رسوائیاں
کب تلک آخر یہ بے پروائیاں

ناز و نعمت کا زمانہ ہو چکا
خوابِ غفلت کا زمانہ ہو چکا

گردشِ گردوں ہے ہر دم گھات میں
شاطرِ دوراں ہے فکرِ مات میں

ہاتھ سے جا کر نہیں آتا ہے وقت
دیکھو بھائی ہاتھ سے جاتا ہے وقت

گر رہے اب بھی یونہی تم نادرست
خود زمانہ تم کو کر دیگا درست

گردشیں دینگی نکال اک ایک بل
ٹھوکریں کھا کھا کے جاؤ گے سنبھل

پھر سنبھلنا وہاں پہ کس کام آئیگا
جب سنبھلنے سے نہ سنبھلا جائیگا

ہوگی اڑنے کی ہوس تم کو مگر
ہونگے اڑنے کے نہ اُس دم بال و پر

عقل ہوگی پر نہ ہوگا اقتدار
عزم ہوگا پر نہ ہوگا اختیار

جبکہ گیتی رنگ یہ دکھلائیگی ‏ ‏ تب ملامت باپ کی یاد آئیگی

---

باپ یہ سب کر چکا تقریر جب ‏ ‏ سر جھکا کر از رہِ شرم و ادب

عرض کی بیٹے نے ارشاد آپ کا ‏ ‏ قبلۂ عالم سراسر ہے بجا

آپ کی اور والدہ کی شفقتیں ‏ ‏ آخری دم تک نہ بھولینگی ہمیں

حق ہیں سب سینے میں مضمر آپ کے ‏ ‏ نقش ہیں احسان دل پر آپ کے

میری جو دلجوئیاں کیں آپ نے ‏ ‏ وہ نہ کی ہونگی کسی ماں باپ نے

اچھے سے اچھا کھلایا آپ نے ‏ ‏ اچھے سے اچھا پہنایا آپ نے

جان و دل ہم پہ فدا کرتے رہے ‏ ‏ ناز برداری سدا کرتے رہے

ہے بڑے افسوس کا لیکن مقام ‏ ‏ شفقتیں کچھ آپکی آئیں نہ کام

وہ محبت اور نوازش آپ کی ‏ ‏ حق میں اپنے زہرِ قاتل ہو گئی

خدمتِ عالی میں گستاخی معاف ‏ ‏ عرض کر سکتا نہیں میں صاف صاف

پر جہاں ہو بات کہنے کا محل ‏ ‏ وہاں نہیں خاموش رہنے کا محل

گو کہ ہوں میں سر بسر تقصیر وار — مجھ سے ہے نوعِ بشر کو ننگ و عار

دھوم ہے میری بدی کی جا بجا — عیب ہے مجھ سے بزرگوں کو لگا

کو بکو آوارہ صبح و شام ہوں — شہر میں رُسوا ہوا ہوں اور بدنام ہوں

بے ہنر مجھ سے نہیں ہوتے کہیں — پر مری تقصیر کچھ اسمیں نہیں

اُٹھے ہم جیسا اُٹھایا آپ نے — بنگئے جیسا بنایا آپ نے

کہتے ہیں اخبار میں آیا ہے یہ — مخبرِ صادق نے فرمایا ہے یہ

اصل فطرت میں ہیں سب بچے رشید — غیب سے آتے ہیں سب بنکر سعید

پھر اُسی رستے پہ پڑ جاتے ہیں وہ — رُخ جدھر ماں باپ کا پاتے ہیں وہ

آئے تھے ہم جستجو میں راہ کی — تھی فقط درکار ہم کو رہبری

آپ نے جو راہ دی ہم کو بتا — ہم نے لی وہ راہ بیچون و چرا

آپ کے انعام اور احسان سب — یوں اگر دیکھئے تو یوں ہیں مان سب

پر اگر انصاف کچھ فرمائیں آپ — اس طرح مجھکو نہ پھر شرمائیں آپ

ذکر بچپن کا جو فرماتے ہیں آپ — اپنے احسانوں سے شرماتے ہیں آپ

ہاں مقرر ماں متا ماں باپ کی — حق میں بچوں کے ہی اک نعمت بڑی

گر نہو ماں باپ کو اُن کا خیال — پرورش پانا ہو بچوں کا محال

پر نہیں دخل اسمیں کچھ انسان کا — اسمیں ہے ماں باپ کا احسان کیا

جان دے پانی اگر کھیتی میں ڈال — یا وہ کر دے خشک پودونکو نہال

اسمیں پانی کا نہیں کچھ اختیار — ہے یہ خاصیت عطائے کردگار

کچھ نہیں تخصیص یہاں انسان کی — ہے یہی خصلت ہر اک حیوان کی

جانور بھی جو نہیں رکھتے تمیز — سب کو بچے اپنے ہوتے ہیں عزیز

بھوک میں لیتے ہیں سب اُنکی خبر — پیاس میں کرتے ہیں سب حلق اُنکا تر

زد میں جب دشمن کی پاتے ہیں اُنہیں — زد سے دشمن کی بچاتے ہیں اُنہیں

آنکھ سے اوجھل وہ ہو جاتے ہیں جب — ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہر سو مضطرب

ہے غرض الفت وہی حیوان کو — لاگ جو بچوں سے ہے انسان کو

دی ہی آگ اک دل میں قدرت نے لگا — جس سے دل بس میں نہیں ماں باپ کا

جبکہ قابو میں نہیں رہتا ہے دل — مانتے ہیں دل کی جو کہتا ہے دل

فکر میں گھلنا سدا اولاد کے ‌ ‌ جھیلنے دُکھ برملا اولاد کے

کچھ خوشی ماں باپ کے دل کی نہیں ‌ ‌ پر کریں کیا مانتا دل ہی نہیں

وہ تو کرتے لاکھ بار اُن سے گریز ‌ ‌ کیا کریں ہے آتما کی آنچ تیز

اُس خدا نے ذات ہے جسکی حکیم ‌ ‌ جسکی حکمت اور حکومت ہے قدیم

ہوش خردوں کو نہیں جبتک دیا ‌ ‌ اُنکا ضامن ہے بزرگوں کو کیا

تاکہ بیہوشی میں لیں اُنکی خبر ‌ ‌ چوکسی اُنکی کریں آٹھوں پہر

ہوں اگر بھوکے تو اُنکو کچھ کھلائیں ‌ ‌ ہوں اگر پیاسے تو اُنکو کچھ پلائیں

جاگتے سوتے ہوں اُنکے پاسباں ‌ ‌ بیٹھتے اُٹھتے ہوں اُنپر جانفشاں

اُنکو بیکل دیکھکر ہوں بے قرار ‌ ‌ اُنکی بیماری میں ہوں بیماردار

بے بسی کے دن نکلواتا ہے یوں ‌ ‌ اپنے مدہوشوں کو پلواتا ہے یوں

ہر بشر کو دی ہے مہر اولاد کی ‌ ‌ اس طرح دنیا ہے بس آباد کی

گر نہو یہ مامتا انسان میں ‌ ‌ خانماں ویران ہوں سب اک آن میں

اِس سے بچ سکتا کوئی انسان نہیں ‌ ‌ ہمیں کچھ اولاد پر احسان نہیں

جبکہ دُکھتا ہے کوئی عضوِ بدن
سارے ہو جاتے ہیں بیکل مرد و زن

کرتے ہیں تدبیر ہو سکتی ہے جو
درد کی تکلیف کھو سکتی ہے جو

درد کی جبتک کسک جاتی نہیں
کچھ کئے بِن اُنکو بن آتی نہیں

ہے یہی بالکل مثال اولاد کی
کیونکہ ہے جزوِ بدن اولاد بھی

کل سے اُنکی کل سہہ آپاتے ہیں دل
دُکھ سے اُنکے سب کے دُکھ جاتے ہیں دل

پیاس میں بچوں کو روتا دیکھکر
کیا کریں پانی نہ دیں اُنکو اگر

بھوک میں جب روئیں بچے زار زار
چھوڑ دیں کس طرح اُنکو بے قرار

اُنپہ گر سختی گزرتی ہے ذرا
اُن سے یہاں دُو چند ہوتی ہے سوا

اُنکا خوش جس بات سے ہوتا ہے جی
حصر ہے اُس بات پر انکی خوشی

اُنکی کلفت ہے بلا اِن کے لئے
اُنکی فرحت ہے غذا اُنکے لئے

طبع انساں کا ہے جب یہ اقتضا
کیا کرے گر ہو نہ بچوں پر فدا

اپنی راحت خوش نہیں آتی کسے
اپنی آسایش نہیں بھاتی کسے

جبکہ مصرف دودھ کا ہرگز نہ پائیں
کیوں نہ مائیں اپنے بچوں کو پلائیں

اُنکو بِن بچّوں کے نیند آئے نہ جب
کِس طرح غافل ہوں پھر اولاد سے
کہتے ہیں بچوں کو ہم کرتے ہیں پیار
ظاہراً اُنکی خوشی کرتے ہیں یہ
ہار پر ہاتھ اُنکی اُٹھتا ہے اگر
اِسلئے رکھتے ہیں اُنکو پیار سے
پیار اُنہیں کرتے ہیں سب اپنے لئے
ایک شفقت ہیں دوسری منفعت
چین پر اُنکے بھی ہو شاید نظر
پھولکر بھی کوئی نام اُنکا نہ لے
شفقتیں ایسے ہی سمجھیں آپ سب
اب رہی شادی چھٹی اور بیاہ کی
گو ہے یہاں دم مارنا بے غیرتی

کیوں نہ چھاتی سے لگا کر سوئیں سب
جب نہ بن دیکھے ہو چین اولاد کے
اور دل کو اپنے دیتے ہیں قرار
اور ٹھنڈا اپنا جی کرتے ہیں یہ
دل کو رہتا ہے قلق دو دو پہر
کیونکہ دل دکھتا ہے اُنکی مار سے
اُنکا دم بھرتے ہیں سب اپنے لئے
پرورش اُنکی اور اپنی مصلحت
اُنسے چین اپنا مقدم ہے مگر
پر طبیعت چین یہاں لینے بھی دے
کرتے ہیں بچوں پہ جتنا ماں باپ سب
رسم موٹڈن اور بسم اللہ کی
ناسپاسی اور کافر نعمتی

بات لیکن بے کہے بنتی نہیں — خواہ نفریں کیجئے خواہ آفریں

شادیوں میں آپ نے جو کچھ کیا — میری تقریبوں میں جو کچھ دیا

تھا وہ سب کچھ اپنی عزت کے لئے — نیکنامی اور شہرت کے لئے

تھا بہانہ یہ کہ ہے عقدِ پسر — تھی مگر اپنی نمایش پر نظر

ہر طرف مدح و ثنا تھی آپ کی — ہر زباں پہ واہ وا تھی آپ کی

چپ تھے سارے خردہ گیر اور نکتہ چیں — سب یہ کہتے تھے کہ حضرت آفریں

دوست ہی کرتے نہ تھے بس واہ وا — دشمنوں نے بھی لئے تھے سر جھکا

معترف بیگانے اور اپنے تھے سب — تھا جہاں چرچا یہی تھا روز و شب

تھا ہمارا کام اور نام آپ کا — بلکہ تھا سب نام اور کام آپ کا

یاں نہ ہمکو دھیان تک شادی کا تھا — اور نہ ارماں گھر کی آبادی کا تھا

بیاہ یا شادی کا جب سنتے تھے نام — تھا ہمیں اک اک کا مُنھ تکنی سے کام

ہمکو تھا شادی سے ایسا ہی لگاؤ — بیاہ کا ہو جیسے اک گدڑے کو چاؤ

آپ کے دل میں تھے کچھ ارماں بھرے — بیاہ اُٹھا کر وہ ہمارے سر دھرے

صدقت ہم شرمندۂ احساں ہوئے ۔ اور پورے آپکے ارماں ہوئے

گھر میں جو نقدی تھی یا اسباب تھا ۔ یا سہارا تھا کچھ اک جائداد کا

کی نہ حضرت نے نظر انجام پر ۔ کر دیا قرباں سب اک نام پر

آپ کی تو بنھ گئی عزت سے ساکھ ۔ سنو سے بہتر عیش اور عشرت کے ساتھ

پر ہماری کس طرح ہو گی بسر ۔ گھر میں دولت ہے نہ ہاتھوں میں ہنر

ہے ہمیں اب آفتوں کا سامنا ۔ ہو گیا عزت کا مشکل تھامنا

کر دیا خوں زور و زر کا آپ نے ۔ گھاٹ کا رکھا نہ گھر کا آپ نے

آپ کو ہوتا اگر منظور یہ ۔ کاشئیں ہم سے رہیں سب دور یہ

جور گردوں سے نہوں پامال ہم ۔ بعد حضرت کے رہیں خوش حال ہم

شادیوں میں رائگاں کھوتے نہ مال ۔ اپنی شہرت کا نہ کرتے کچھ خیال

کھولتے ہم پر نہ در افلاس کے ۔ چھوڑ جاتے کچھ ہمارے واسطے

ہم پہ احساں آپ یہاں کرتے اگر ۔ علم کی دولت سے کرتے بہرہ ور

کھولکر تعلیم میں دل کرتے خرچ ۔ ہوتا کچھ ہوتا اگر کاموں میں حرج

علم کا تھا ہم کو بیشک شوق کم ۔ کانپتے تھے نام سے پڑھنے کے ہم

بے خبر تقدیر کی گھاتوں سے تھے ۔ بھاگتے ہم کام کی باتوں سے تھے

تھے نصیحت سے بزرگوں کی نفور ۔ رہتے تھے سایہ سے اُنکے دُور دُور

پاس عزت کا نہ ڈر ذلت کا تھا ۔ پردہ آنکھوں پر پڑا غفلت کا تھا

تھے مگر ہر طرح بس میں آپ کے ۔ حکم سے باہر نہ تھے ماں باپ کے

ہم سے سرزد جب خطا ہوتی کوئی ۔ یا کہ حرکت ناسزا ہوتی کوئی

گو کہ دل کڑھتا سزا سے آپ کا ۔ دل پہ کرتے جبر پر دیتے سزا

آپکی خفگی کا ڈر ہوتا اگر ۔ تربیت کا کچھ نہ کچھ ہوتا اثر

گر وطن میں تربیت آسان تھی ۔ کچھ جدائی خارج از امکان تھی

سوچتے انجام کی بدبختیاں ۔ کرتے فرقت کی گوارا سختیاں

بھیجدیتے گھر سے باہر چند روز ۔ لیتے دھر چھاتی پہ پتھر چند روز

مصلحت پر کرتے اُلفت کو فدا ۔ کچھ دنوں اپنے سے کر دیتے جدا

یاد سے اپنی بھلا دیتے ہمیں ۔ بیکسی قابل بنا دیتے ہمیں

گر جدائی آپ کو آتی نہ راس
دل ہمارا ہی یاد میں رہتا اُداس

دردِ فرقت سے نہ کچھ گھبراتے آپ
دل بہلتا جس طرح بہلاتے آپ

شادیوں میں خرچ جو اُٹھا فضول
ہم کو آخر کیا ہوا اس سے حصول

تربیت میں اپنی وہ اُٹھتا اگر
ہم نہ ہوتے خوار شاید اِس قدر

گھر میں کچھ باقی نہ رہتا اپنی جب
چار سو پاتے کھلی راہ طلب

ہاتھ میں ہوتا اگر کچھ بھی ہنر
رہتے عزت سے نکل جاتے جدھر

اپنے حق جتنے جتائے آپ نے
ہم یہ جو احساں جتائے آپ نے

یوں تو ہیں وہ قابلِ تسلیم سب
کیونکہ ہے ہمکو یہی حکم ادب

کرتے ہیں جب دل میں لیکن غور ہم
اپنا حصہ اُن میں کچھ پاتے ہیں کم

یاد ہیں سب ہمکو احساں آپ کے
کچھ اُمیدیں تھیں کچھ ارماں آپ کے

اپنی خوشیاں کرتے تھے پوری مگر
تھی مصالح پر ہماری کم نظر

ایسے احسانوں سے ہو دل شاد کیا
ہم بزرگوں کو کرینگے یاد کیا

باپ سے جوشِ جوانی میں پسر
باتیں یہ کہتے تو کہہ گزرا مگر

کہہ کے جی میں اپنے شرمایا بہت — جرأت بیجا سے پچھتایا بہت

گو دئے الزام سب اپنے مٹا — پر نہ مٹ سکتا تھا حق ماں باپ کا

دے رہا تھا باپ کو زک صاف صاف — کہہ رہا تھا دل مگر اسکے خلاف

دعوے احساں سے سبکدوشی کے تھے — پر دبی جاتی تھی گردن بوجھ سے

گو زباں بس میں نہ تھی نادان کی — پر گلے میں تھی کمند احسان کی

کرکے عذر شوخ چشمی باپ سے — گر پڑا قدموں پہ آکر باپ کے

دل جو اُمڈا دیر تک روتا رہا — متصل اشکوں سے مونھ دھوتا رہا

گو ہوئی تھی باپ کو خفت کمال — پر یہ دیکھا اُس نے جب بیٹے کا حال

جلد قدموں پر سے سر اُسکا اُٹھا — اپنی چھاتی سے لیا اُسکو لگا

پھر کہا بیٹے سے اے لختِ جگر — کیوں ہوئی تم کو ندامت اسقدر

تم نے جو الزام ہیں مجھکو دئے — اِس سے بڑھکر کیا خوشی ہوگی مجھے

شکر ہے اتنی تو ہے تم کو خبر — باپ نے رکھا ہے تمکو بے ہنر

سب بُرے تم سے سلوک اُس نے کئے — جو بھلائی کی وہ کی اپنے لئے

باپ تو کہتا ہی تھا تم کو بُرا — تم نے کر دی باپ کی ثابت خطا

چاہئے اسکے سوا کیا باپ کو — باپ کے تم رہنما پیری میں ہو

پر مری جاں ہم تو ہیں پا در رکاب — آنیوالی ہے اجل سر پر شتاب

فی الحقیقت گر ہوئی ہم سے خطا — حاصل اب اسکے جتانے سے ہے کیا

عمرِ رفتہ پھر ملے جب باپ کو — اِس نصیحت پر عمل تب ہو تو ہو

جب کہیں بیٹا ہو پیدا دوسرا — عمر بھی اُسکو کرے خالق عطا

اور رہے سر پر سلامت باپ بھی — بات بھی بگڑی نہ ہو یوں باپ کی

تب نصیحت ہو تمہاری سودمند — ہو سکے تب باپ اُس پہ کاربند

جبکہ یہ ممکن نہیں اے جانِ جاں — ہے ہمیں الزام دینا رائیگاں

سرزنش کا وقت ہی جب ہو چکا — سرزنش اب تم نے کی ہم کو تو کیا

رُت ہماری تو گئی ساری گزر — ہو ابھی تم جوہرِ قابل - مگر

غلطیاں سب باپ کی ہو جانتے — اپنے نیک و بد کو ہو پہچانتے

راہ پر جا ہو تو آ سکتے ہو تم — ہم نے جو کھویا ہے پا سکتے ہو تم

ہوگئی پا لغزش جو کچھ باپ سے — ہے تلافی اسکی ممکن آپ سے

تربیت بیجا کریں ہم یا بجا — تربیت ماں باپ کی ہے چیز کیا

نوجوانی کا نشہ چڑھتا ہے جب — سب دھری رہتی ہے تعلیم اور ادب

ہاں مگر جو عقل خود رکھتے ہیں بحال — ٹھیک رہتے ہیں وہی ہو کر جوان

ہر کوئی بیج اپنا خود بوتا ہے خوب — کام اپنا آپ ہی ہوتا ہے خوب

پہلے اپنا سوچ لو انجام تم — دیتے رہنا پھر ہمیں الزام تم

ہم نے بچپن میں بگاڑا ہے مگر — اب تو تم عاقل ہو خود جاؤ سنور

اب بھی گر حالت نہ بدلی آپکی — آپکی بھی پھر مثل ہوگی وہی

باپ نے بیٹے کو نالایق کہا ۔ — بیٹا نالایق ہی سچ مچ بن گیا

تا کہ کہنا باپ کا جھوٹا نہو — نسبت نالایقی بیجا نہو

ہے پسندیدہ اطاعت باپ کی — پر نہ ایسی جیسی اس بیٹے نے کی

ہے اگر بیٹا اطاعت اسکا نام — ایسی نا واجب اطاعت کو سلام

تمت



# کتب مصنفہ شمس العلماء مولانا الطاف حسین صاحب

## (حالی)

حیات جاوید۔ سکنڈ ایڈیشن ۷۰۰ صفحہ کی ضخیم کتاب ڈاکٹر سر سید احمد خاں مرحوم۔ بانی علیگڈھ کالج کی قابل دید سوانح عمری۔ جس میں انکی زندگی کے حالات سرکاری۔ ملکی قومی اور مذہبی خدمات نہایت مفصل اور مشرح طور پر بیان کی گئی ہیں۔ قیمت فی جلد ۳/

دیوانِ حالی۔ مولانا صاحب ممدوح کا اردو دیوان مع ایک وسیع مقدمہ کے جس میں شاعری کے فن پر ایک نہایت پسندیدہ بحث ہے۔ قیمت قسم اول ۳/ قسم دوم عہ/ قسم سوم عہ/

مجموعۂ نظم حالی۔ اسمیں چھوٹی چھوٹی چودہ نظمیں مثل ننگ خدمت حب وطن مناظرہ رحم و انصاف۔ مناظرۂ واعظ و شاعر۔ نفاق اور اتفاق کا مناظرہ جمع کی گئی ہیں قیمت ۸/

شکوۂ ہند۔ یہ چھوٹی سی ایک نہایت مقبول نظم ہے جو محتاج بیان نہیں قیمت ۲/

راقم سید عبد العلی مدرس حویلی میر افضل صاحب کوچۂ پنڈت شہر دہلی




विधवा की प्रार्थना

# مناجاتِ بیوہ

جسمیں حالتِ بیوگی کے صحیح صحیح خیالات جو ہر اہلِ دل کے

# ایسی دلکش اور مفید اور پر لطف کتابیں آجتک شایع نہیں ہوئی تھیں

(محصول ڈاک و فیس ویلیو خریداروں کے ذمّے ہی)

## عہدِ بنی امیّہ - قیمت عہ؍

اس کتاب میں تاریخ اسلام کے اُس شاندار زمانہ کی دلچسپ اور سچی تاریخی حکایتیں جمع کی گئیں ہیں۔ جبمیں خاندان بنی امیّہ کے تاجدار دمشق کے تختِ خلافت پر جلوہ افروز رہے۔ اِن حکایتوں سے اُس زمانہ کے مسلمانوں کے اخلاق، عادات اور تمدنی حالات کی پوری تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ اس مضمون پر کوئی کتاب آجتک اردو میں نہیں لکھی گئی ÷

## عہدِ عباسیّہ (حصّہ اوّل و دوم)

(قیمت فی حصّہ عہ؍)

خاندان عباسیّہ کی پُرشوکت اور پُر فخر زمانہ کی دلکش اور اصلی تاریخی حکایتیں جنسے اُس زمانہ کے مسلمانوں کے حالات اس کتاب کے پڑھنے والوں پر آئینہ ہو جاتے ہیں اور اُنکی جیتی جاگتی تصویریں نظر آجاتی ہیں۔ اس مضمون پر کوئی جامع کتاب کسی زبان میں آجتک نہیں لکھی گئی۔ مؤلف نے عہد بنی امیہ اور عہد عباسیہ کیلئے تاریخ اور ادب کی کتابوں کے ہزاروں صفحے الٹ ڈالے +

## پچیس ۲۵ اسلامی تاریخی ناول

(ایک روپیہ میں)

اس مجموعہ کا نام (اسلامی جوش) ہے۔ ان ناولوں کے مطالعہ سے گذشتہ مسلمانوں کی قومی عظمت۔ اسلامی اخلاق اور مذہبی جوش کی جیتی جاگتی تصویریں نظروں میں پھر جاتی ہیں۔ یہ ناول انتہا سے زیادہ مقبول ہوئے ہیں۔ ہر ناول دلچسپ اور اچھوتا اور حد سے زیادہ پُر لطف ہے۔ ایک ورق پڑھ لینے کے بعد کتاب کا ہاتھ سے چھوٹنا محال ہے۔

ناولوں کی تفصیل یہ ہے

(۱) قلعہ اذری ہولا کا محاصرہ
(۲) رومی نازنین
(۳) عجیب انتقام
(۴) دوستی کا معیار
(۵) ملکہ ناسوری
(۶) ایرانی دلہن
(۷) شمشیر برہنہ
(۸) آخری تمنا
(۹) پاکدامنی کی تصویر
(۱۰) عید کی صبح
(۱۱) شادی کا وعدہ
(۱۲) انصاف کی زنجیر
(۱۳) میدانِ جنگ کی شام
(۱۴) رشوت سے انکار
(۱۵) دریا کی طغیانی
(۱۶) طلیطلہ کی شہزادی
(۱۷) تاروں بھری رات
(۱۸) پھولوں کا زیور
(۱۹) مسافرانِ عدم
(۲۰) یاقوت رمانی
(۲۱) اسکندریہ کا یہودی
(۲۲) ترکی جہاز
(۲۳) آتش پرست لڑکی
(۲۴) تیر کا دوست
(۲۵) ارمنی قزاق

## پچیس ۲۵ سراغرسانی کے ناول

(ایک روپیہ میں)

اس مجموعہ کا نام (اسرار فطرت) ہے۔ ان ناولوں میں دُنیا بھر کے مشہور سراغرسانوں کے حیرت انگیز کارنامے جمع کئے گئے ہیں ان سے زیادہ دلچسپی کسی ناول میں نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ دُنیا کے پُر اسرار معاملات سے خبردار ہونا چاہتے ہیں۔ اگر آپ ملک ملک کے چالاک ریاکاروں۔ قاتلوں اور بدمعاشوں کے ہتھکنڈوں سے واقف ہونا پسند کرتے ہیں تو اس مجموعہ کو ضرور منگا ہیں۔ ناولوں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) مصنوعی داڑھی
(۲) خوفناک موت
(۳) گہری سازش
(۴) آفتابی تحریر
(۵) ہیرے کی انگوٹھی
(۶) سراغرسانی کی حیرانی
(۷) اندھیری رات
(۸) نیلا کاغذ
(۹) خونخوار ارمنی
(۱۰) زرد رنگ کے سگار
(۱۱) آہنی صندوق
(۱۲) نقلی سراغرساں
(۱۳) امریکن جادوگر
(۱۴) معشوقہ کی لاش
(۱۵) قاتل کا ہاتھ
(۱۶) جعلی نوٹ
(۱۷) مقتول کی آنکھ
(۱۸) عجیب دغابازی
(۱۹) زخمی کتا
(۲۰) آخری الفاظ
(۲۱) مخفی تحریر
(۲۲) چالاک عورت
(۲۳) دولتمندی کا راز
(۲۴) خوفناک نظارہ
(۲۵) ذبح نامہ نگار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# ایک بیوہ کی مناجات

اے سب سے اوّل اور آخر
جہاں تہاں حاضر اور ناظر

اے سب داناؤں سے دانا
سارے تواناؤں سے توانا

اے سمجھے بوجھے بن سوجھے
جانے پہچانے بن بُوجھے

ہُوا سے اونچے اور پربت سے
چاند سے اور اس نیلی چھت سے

سب سے انوکھے سب سے نرالے
آنکھ سے اوجھل دل کے اُجالے

اے اندھوں کی آنکھ کے تارے
اے لنگڑے لولوں کے سہارے

ناتیوں سے چھوٹوں کے ناتی
ساتھیوں سے بچھڑوں کے ساتھی

ناؤ جہاں کی کھینے والے
دُکھ میں تسلّی دینے والے

جب اب تب تجھسا نہیں کوئی
تجھ سے ہیں سب تجھسا نہیں کوئی

جوت ہے تیری جل اور تھل ہیں
باس ہے تیری پھول اور پھل ہیں

ہر دل میں ہے تیرا بسیرا
تو پاس اور گھر دُور ہے تیرا

راہ تِری دشوار اور سکڑی
نام ترا رہگیر کی لکڑی

تو ہے ٹھکانا مسکینوں کا
تو ہے سہارا غمگینوں کا

تو ہے اکیلوں کا رکھوالا
تو ہے اندھیرے گھر کا اُجالا

لاگو اچھے اور بُرے کا
خواہاں کھوٹے اور کھرے کا

بیپاری ٹوٹے ماروں کا
گاہک مندے بازاروں کا

سوچ میں دل بہلانے والا
بپتا میں یاد آنے والا

---

اے بے وارث گھروں کے وارث
بے بازو بے پروں کے وارث

بے آسوں کی آس ہے تو ہی
جاگتے سوتے پاس ہے تو ہی

بس والے ہیں یا بے بس ہیں
ساتھی جن کا دھیان ہے تیرا
دل میں ہے جنکے تیری بڑائی
بےکس کا غمخوار ہے تو ہی
دُکھیا دُکھی یتیم اور بیوا
تو ہی ڈبوئے تو ہی تراسے
تو ہی مرض دے تو ہی دوا دے
تو ہی پلائے زہر کے پیالے
تو ہی دلوں میں آگ لگائے
ٹھکارے چمکار کے مارے
پیار کا تیرے پوچھنا کیا ہے

تو نہیں جنکا وہ بےکس ہیں
دسرایت کی وہاں نہیں پروا
گنتے ہیں وہ پربت کو رائی
بُری بنی کا یار ہے تو ہی
تیرے ہی ہاتھ ان سب کا ہے کھیوا
تو ہی یہ بیڑے پار لنگھائے
تو ہی دوا دارو میں شفا دے
تو ہی پھر امرت زہر میں ڈالے
تو ہی دلوں کی لگی بجھائے
مارے مار کے پھر چمکارے
مار میں بھی اک تیری مزا ہے

---

اے رحمت اور ہیبت والے
اے اٹکل اور دھیان سے باہر
عقل سے کوئی پا نہیں سکتا
ایک کو تو نے شاد کیا ہے
اس سے نہ تیرا پیار کچھ ایسا
ہر دم تیری آن نئی ہے
یہاں بچھوا ہے وہاں پروا ہے
پھول کہیں کُملائے ہوئے ہیں
کھیتی ایک کی ہے لہراتی
ایک بڑے ہیں دھن کو ڈبوئے
ایک نے جب سے ہوش سنبھالا
ایک نے اس جنجال میں آکر
منہ کہیں دولت کا ہے برستا

شفقت اور غضب والے
جان سے اور پہچان سے باہر
بھید ترے حکموں میں ہیں کیا کیا
ایک کے دل کو داغ دیا ہے
اس سے نہ تو بیزار کچھ ایسا
جب دیکھو تب شان نئی ہے
گھر گھر تیرا حکم نیا ہے
اور کہیں پھل آئے ہوئے ہیں
ایک کا ہر دم خون سکھاتی
ایک ہیں گھوڑے بیچ کے سوئے
پڑا نہ اس کو رنج سے پالا
چین نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر
ہے کوئی پانی تک کو ترستا

ایک کو مرنے تک نہیں دیتے
ایک اُکتا گیا سے لیتے لیتے

حال غرض دُنیا کا یہی ہے
غم پہلے اور بعد خوشی ہے

رنج کا ہے دُنیا کے گلا کیا
تحفہ یہی دے دے کے ہے یہاں کا

یہاں نہیں بنتی رنج سہے بن
رنج نہیں سب ایک سے لیکن

ایک سے یہاں رنج ایک ہے بالا
ایک سے ہے درد ایک نرالا

گھاؤ ہے گو ناسور کی صورت
پر اُسے کیا ناسور سے نسبت

تپ وہی دق کی شکل ہے لیکن
دق نہیں رہتی جاں لئے بن

دق ہو وہ یا ناسور ہو۔ کچھ ہو
دے نہ جواب امیدؔ کسی کو

روز کا غم کیونکر سہے کوئی
آس نہ جب باقی رہے کوئی

تو ہی کر انصاف اے مرے مولا
کون ہے جو بے آس ہے جیتا

گو کہ بہت بندے ہیں پُر ارماں
کم ہیں مگر مایوس ہیں جو یہاں

خواہ دُکھی ہے خواہ سُکھی ہے
جو ہے اک امیدؔ اس کو بندھی ہے

کھیتیاں جن کی کھڑی ہیں سوکھی
آس دو باندھے بیٹھے ہیں مینہ کی

گھاٹا جن کی اساڑھی میں ہے
ساونی کی امیدؔ انہیں ہے

ڈوب چکی ہے جن کی اگیتی
دیتی ہے ڈھارس اُن کو پچھیتی

ایک ہے اس امیدؔ پہ جیتا
اب ہوئی بیٹی اب ہوا بیٹا

ایک کو جو اولاد ملی ہے
اُسکو اُمنگ اب شادیوں کی ہے

رنج ہے یا قسمت میں خوشی ہے
کچھ ہے مگر اک آس بندھی ہے

غم نہیں اُن کو گو غمگیں ہیں
جو دل ناامیدؔ نہیں ہیں

کال میں کچھ سختی نہیں ایسی
کال میں ہے جب آس سمیں کی

سہل ہے موجوں سے چھٹکارا
جب کہ نظر آتا ہے کنارا

پر نہیں اُٹھ سکتی وہ مصیبت
آئے گی جس کے بعد نہ راحت

شاد ہو اُس رہگیر کا کیا دل
مر کے کٹے گی جس کی منزل

اُن اجڑوں کو کل پڑے کیونکر
گھر نہ بسے گا جنکا جنم بھر

اُن بچھڑوں کا کیا ہے ٹھکانا
جن کو نہ ملنے دے گا زمانہ

اب یہ بلا ٹلتی نہیں ٹالی — مجھ پہ ہے جو تقدیر نے ڈالی
آئیں بہت دنیا میں بہاریں — عیش کی گھر گھر پڑی پکاریں
پڑے بہت باغوں میں جھولے — ڈھاک بہت جنگل میں پھولے
گئیں اور آئیں چاندنی راتیں — برسیں کھُلیں بہت برساتیں
پر نہ کھلی ہرگز نہ کھلے گی — وہ جو کلی مرجھائی تھی دل کی
آس ہی کا یہاں نام ہے دنیا — جب نہ رہی یہ ہی تو رہا کیا
ایسے بدیسی کا نہیں غم کچھ — جس کو نہ ہو ملنے کی قسم کچھ
رونا اُن بن باسیوں کا ہے — دیس نکالا جن کو ملا ہے
حکم سے تیرے پر نہیں چارا — کڑوی میٹھی سب ہے گوارا
زور ہے کیا تنکے کا ہوا پر — چاہے جدھر لے جائے اُڑا کر
تنکا ایک اور سات سمندر — جائے کہاں موجوں سے نکلکر
قسمت ہی میں جب تھی جدائی — پھر ٹلتی کس طرح یہ آئی
آج کی بگڑی ہو تو بنے بھی — ازل کی بگڑی خاک بنے گی
تو جو چاہے وہ نہیں ٹلتا — بندے کا یہاں بس نہیں چلتا
مارے اور نہ دے تو رونے — تھپکے اور نہ دے تو سونے
بچھڑے بن آتی ہے نہ بھاگے — تیری زبردستی کے آگے
تجھ سے کہیں گر بھاگنا چاہیں — بند ہیں چاروں کھونٹ کی راہیں
تو مارے اور خواہ نوازے — پڑی ہوں ہیں تیرے دروازے
تجھی کو اپنا جانتی ہوں میں — تجھ سے نہیں تو کس سے کہوں میں
ماں ہی سدا بچے کو مارے — اور بچہ ماں ماں ہی پکارے

---

اے میرے زور اور قدرت والے — حکمت اور حکومت والے
میں لونڈی تیری دکھیاری — دروازے کی تیری بھکاری
موت کی خواہاں جان کی دشمن — جان پہ اپنی آپ اجیرن
اپنے پرائے کے دھتکاری — میکے اور سسرال پہ بھاری

سہکے بہت آزار چلی ہوں
دل پر میرے داغ ہیں جتنے
دُکھ دل کا کچھ کہہ نہیں سکتی
تجھپہ ہے روشن سب دکھ دل کا
بیاہ کے دم پائی تھی نہ لینے
خوشی میں بھی سکھ پاس نہ آیا
ایک خوشی نے غم یہ دکھلائے
کیسا اٹھا یہ بیاہ رچا ڈال
چین سے رہنے دیا نہ جی کو
رو نہیں سکتی تنگ ہوں یہاں تک
ہنسی سے دل بہلاؤں کیونکر
ایک کا کچھ جینا نہیں ہوتا
لیٹے گر سونے کے بہانے
جاگ گئے تو بھی بن نہیں پڑتی
اب کل ہمکو پڑے گی مرکر
بات سے نفرت کام سے وحشت
آبادی جنگل کا نمونہ
دن بھیانک اور رات ڈرائی
بہنیں اور سہیلیاں میری
مل نہ سکیں جی کھول کے مجھ سے
جب آئیں رو دھو کے گئیں وہ
کوئی نہیں دل کا بہلاوا
آٹھ پہر کا ہے یہ جلاپا
تھک گئی ہیں دکھ سہتے سہتے
کسی [illegible] کی آگ کسی پر

دُنیا سے بیزار چلی ہوں
مُنہ میں بول نہیں ہیں اتنے
اس کے سوا کچھ کہہ نہیں سکتی
تجھ سے حقیقت اپنی کہوں کیا
لینے کے یہاں پڑ گئے دینے
غم کے سوا کچھ راس نہ آیا
ایک ہنسی نے گُل یہ کھلائے
جو ہیں پڑا اُس کا پرچھاواں
کر دیا ملیا میٹ خوشی کو
اور روؤں تو روؤں کہاں تک
اوسوں پیاس بجھاؤں کیونکر
ایک نہ ہنستا بھلا نہ روتا
پائنتی کل ہے اور نہ سرھانے
جاگنے کی آخر کوئی حد بھی
گور ہے سونی سیج سے بہتر
ٹوٹی آس اور بجھی طبیعت
دُنیا سونی اور گھر سونا
یوں گذری ساری یہ جوانی
ساتھ کی تھیں جو کھیلیاں میری
خوش ہوئیں ہنس بول کے مجھ سے
جب گئیں بے کل ہو کے گئیں و...
آ نہیں چکتا سیرا بلاو...
کاٹوں گی کس طرح رنڈا...
تھم گئے آنسو بہتے بہتے
گھل گئی جان اندر ہی اندر

دیکھ کے چپ جانا نہ کسی نے
دبی تھی بھوبل میں چنگاری
قوم میں وہ خوشیاں بیاہوں کی
تہواروں کا آئے دن آنا
وہ چیت اور پھاگن کی ہوائیں
وہ گرمی کی چاندنی راتیں
کس سے کہوں کس طور سے کاٹیں
چاؤ کے اور خوشیوں کے سمیں سب
رنج میں ہیں سامان خوشی کے
گھر برکھا اور پیا بدیسی
دن یہ جوانی کے کٹے ایسے
رُت گئی ساری سر ٹکراتے
کسی نے ہوگی کچھ کل پائی
آس بندھی لیکن نہ ملا کچھ
رہ گیا دیکر چاند دکھائی
رت بدلی پر ہوئی نہ برکھا
پھل کی خاطر برچھی کھائی
ریت میں ذرے دیکھ چمکتے
باروں کھونٹ نظر دوڑائی

جان کو پھونکا دل کی لگی نے
لی نہ کسی نے خبر ہماری
شہر میں وہ دھومیں ساہونکی
اور سب کا تہوار سنانا
وہ ساون بھادوں کی گھٹائیں
وہ ارمان بھری برساتیں
خیر۔ کٹیں جس طور سے کاٹیں
آتے ہیں خوش۔ کل جان کو ہو جب
اور جلانے والے جی کے
آئیو برکھا کہیں نہ ایسی
باغ میں پنچھی قید ہو جیسے
اُڑ نہ سکی پر ہوتے ساتے
مجھے تو شادی راس نہ آئی
پھول آیا اور پھل نہ لگا کچھ
چاند ہوا پر عید نہ آئی
بادل گرجا اور نہ برسا
پھل نہ ملا اور جان گنوائی
دوڑ پڑی میں جھیل سمجھ کے
پر پانی کی بوند نہ پائی

---

ے دین اور دنیا کے مالک
پر اور پرے دارے کے والی
ب پچھم دکھن اُتر
ھُو لگی ہے سب کے لئے یہاں
ونہ اگر قسمت سے کمی کی

راجا اور پرجا کے مالک
اے سارے سنسار کے والی
بخشش تیری عام ہے گھر گھر
خواہ ہو ہندو خواہ مسلماں
کی نہیں بندی تو نے کسی کی

چیونٹا کیڑا مچھر بھُنگا
سارے پنچھی اور پکھیرو
بھیڑ اور بکری شیر اور چیتے
کھُلا ہے سب پر در رحمت کا
خاک سے تو نے بیج اُگائے
سیپ کو بخشی تو نے دولت
لکڑی میں پھل تو نے لگائے
ہیرا بخشا کان کو تو نے
جگنو کو بجلی کی چمک دی
دین سے تیرے اے مرے مولا
عام ہے سب پر تیری رحمت
پیڑ ہوں چھوٹے یا کہ بڑے یکساں
جلتے ہیں جو ہیں جلنے والے
جب اپنی ہی زمیں ہو کلّر
سب کو ترے انعام تھے شامل
گر کچھ آتا بانٹ میں میری
تھی نہ کمی کچھ تیرے گھر میں
راجا کے گھر پلی ہوں بھُوکی
پھر دل سوچتی ہوں یہ جی میں
ہونے سے میرے فائدہ کیا تھا
آن کے آخر میں نے لیا کیا
بین دئے اور کچھ نہ دکھایا
جندڑی دی اور خوشی نہ بخشی
رہی اکیلی بھری سبھا میں
چین سے جاگی اور نہ سوئی

دیکھ کے چُپ جانا نہ کسی نے
دبی تھی بھوبل میں چنگاری
قوم میں وہ خوشیاں بیاہوں کی
تہواروں کا آئے دن آنا
وہ چیت اور پھاگن کی ہوائیں
وہ گرمی کی چاندنی راتیں
کس سے کہوں کس طور سے کاٹیں
چاؤ کے اور خوشیوں کے سمیں سب
رنج میں ہیں سامان خوشی کے
گھر برکھا اور پیا بدیسی
دن یہ جوانی کے گئے ایسے
رُت گئی ساری سر ٹکراتے
کسی نے ہو گی کچھ کل پائی
آس بندھی لیکن نہ ملا کچھ
رہ گیا دیکھ چاند دکھائی
رُت بدلی پر ہوئی نہ برکھا
پھل کی خاطر برچھی کھائی
ریت میں ذرّے دیکھ چمکتا
باروں کھونٹ نظر دوڑی

جیسی آئی ویسی نہ آئی
سوئی تو کچھ چین نہ پایا
اور پھل سدا گلے میں اٹکے
اور نہ جمی کاموں پہ طبیعت
اور نہ کیا دھندا کوئی دھانکا
اور نہ ہیں کام آئی کسی کے
آدمیوں کا ہو گیا توڑا
سب رکھتی ہوں تیرے کرم سے
جسکو ہو میری جان کی پروا
اپنوں میں اپنایت نہیں پاتی
سو گھر والے اور گھر سونا
آکے کبھی بھیاں پوچھ لیا کچھ
زور کسی پر اب نہیں اپنا
اپنی ہی قسمت کی ہے بُرائی
کیوں تو عورت ذات بنانا
کیوں ہوتے اوروں کے حوالے
جیتے ہی جی کیوں ہم مرجاتے
باپ نہ ماں بھائی نہ بھتیجا
"سکھ سمپت کا ہر کوئی ساتھی"

ے دین اور دُنیا کے مالک
ے پر اور پردا رکھے وال [illegible]
ب پچھم دکھن اُتر [illegible]
اُٹھ لگی ہے سب کے لئے کھٹکتی
ونہ اگر قسمت سنے کمی

کون سُنے یہ رام کہانی
ایک مصیبت ہو تو سہوں میں
میرا نازک حال ہے جیا
باپ نہ بھائی ساس نہ سسرا
پر اپنے بس مر نہیں سکتی

MAJMUA NAZAM

G. K. U.